سلسلۂ مطبوعاتِ انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) نمبر ۲۳۲

دیوانِ فائز

مرتبہ
جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب لکھنوی ایم اے
صدر شعبہ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی

شائع کردہ
انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) دہلی

طبع اول　　　۱۹۳۶ء　　　قیمت مجلد ہے؍ بلا جلد عہ؍

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۲۳۲

شمالی ہند میں

اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر

نواب صدرالدین محمد خاں

فائز دہلوی اور اُس کا دیوان

مؤلفہ و مرتبہ

سید مسعود حسن رضوی ادیب ایم۔اے

صدر شعبۂ فارسی و اردو، لکھنؤ یونیورسٹی۔ لکھنؤ

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی

طبع اول

۱۹۴۶ء

(عمدہ پریس دہلی)

نواب صدرالدین محمد خاں بہادر دہلی کے ایک امیر تھے جو اورنگ زیب
کے آخری عہد سے محمد شاہ کے زمانے تک موجود تھے۔ خاندانی اعزاز
اور ذاتی وجاہت کے علاوہ علم وفضل کی دولت سے بہرہ مند اور متعدد
کتابوں کے مصنف تھے۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے
فائزؔ اُن کا تخلص تھا۔ اُردو کے صاحب دیوان شاعروں میں اُن سے
زیادہ قدیم کوئی شاعر اب تک معلوم نہیں۔ کوئی بیس برس ہوئے کہ فائزؔ
کا ضخیم کُلیات چندروز میرے پاس رہا۔ میں نے اس کے مالک کو کچھ
معاوضہ دے کر اس کا وہ حصہ نقل کرلیا جو اُردو کلام پر مشتمل تھا۔ اور
پورے کلیات پر نظر ڈال کر کچھ یادداشتیں لکھ لیں اور چند ضروری اقتباس
لے لیے۔ کچھ دن بعد وہ کُلیات اُس زمانے کے مشہور ذی علم اور
وسیع المعلومات صحافت نگار مرحوم سید جالبؔ دہلوی کے قبضے میں آگیا
اور اب اُن کی دوسری کثیر التعداد کتابوں کے ساتھ جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی کے
کتب خانے میں محفوظ ہے۔ کُلیات فائزؔ سے کچھ یادداشتیں اور چند اقتباس
تو میں لے ہی چکا تھا۔ کچھ زمانے کے بعد فائزؔ کے چند رسالے دستیاب
ہوئے اور ان یادداشتوں، اقتباسوں اور رسالوں کی مدد سے میں نے
فائزؔ اور اُن کی شاعری پر ایک مقالہ لکھا جس کے بعض حصے ادبی جلسوں
میں پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد مجھے فائزؔ کی بعض تصنیفیں وقتاً فوقتاً ملتی رہیں۔

ایک مدت کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ فائز کی کل تصنیفوں پر گہری نظر
ڈال کر اس مقالے میں ضروری اضافے کرکے اسے کتاب کی صورت
میں شائع کردیا جائے اور اس کے ساتھ فائز کا اُردو دیوان بھی مع فرہنگ
اور حاشیوں کے شامل کردیا جائے۔ ابھی کام شروع ہی کیا تھا کہ گورنمنٹ
آف انڈیا نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے معائنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی جس کا
یہ احقر بھی ممبر نامزد ہوا۔ مارچ ۱۹۴۲ء کے تیسرے ہفتے میں اس غرض سے
دلی پہنچا اور پانچ دن جامعہ نگر میں قیام کیا۔ اس سفر سے میری ایک
بڑی آرزو پوری ہوگئی۔ یعنی کلیاتِ فائز کے بالاستیعاب مطالعے کا موقع
مل گیا۔ میں شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔ اگر
موصوف کی خاص عنایت نہ ہوتی تو یہ نادر نسخہ کافی مدت تک میرے
پاس نہ رہ سکتا۔ اس نسخے کے حصول میں مکرمی ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب
سے جو مدد ملی اس کے لیے موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دلی سے واپسی کے کوئی پونے دو مہینے بعد فائز کا کلیات میرے
پاس پہنچ گیا اور میں نے اس کا مطالعہ شروع کردیا۔ خیال تھا کہ دس
پندرہ دن میں یہ کام ختم ہوجائے گا۔ مگر تحقیق اور تلاش کے نئے نئے راستے
پیدا ہوتے گئے۔ کلیات کو بار بار پڑھنا پڑا اور دنوں کی جگہ مہینے
لگ گئے۔ فائز کی دوسری تصنیفوں کا بھی حرف حرف جس غور سے
پڑھا گیا ہے اس کا کچھ اندازہ کتاب کے مطالعے سے ہو جائے گا۔
فائز کے خاندان کی کڑیاں جوڑنے میں جو دقتیں پیش آئیں اور اس
کے لیے جتنی محنت کرنی پڑی اس کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔ اب
جب فائز کے بزرگوں کا سلسلہ مل گیا ہے ان کے آبا و اجداد کے

حالات کی تلاش آسان ہوگئی ہے۔ فائز کے اردو دیوان کی قرأت، تصحیح اور تحشیہ بھی اچھا خاصا صبرآزما کام نکلا۔ متروک اور نامانوس الفاظ کے علاوہ اس کے رسم خط کی بعض خصوصیتوں نے اس کا پڑھنا دشوار کر دیا تھا بڑی دیدہ ریزی اور مغز کاوی کے بعد بھی چند لفظ صحیح نہیں پڑھے جا سکے۔ اسی طرح انتہائی کوشش کے باوجود چند لفظوں کا مفہوم معلوم نہیں ہو سکا۔

فائز نے اپنے کلیات کا جو طولانی خطبہ یعنی مقدمہ لکھا ہے وہ بہت سی مفید معلومات پر مشتمل ہے اور اس سے خود فائز کی شاعری اور اُن کے معیار تنقید پر خوب روشنی پڑتی ہے اس لیے وہ خطبہ بھی اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

چند سال ہوئے بریلی میں آل انڈیا اُردو کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے ایک جلسے میں جو جناب پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب کی صدارت میں ہوا تھا۔ میں نے فائز پر ایک مقالہ پڑھا۔ سامعین میں دہلی کے رہنے والے ایک ذی علم، خوش وضع، خوش گفتار بزرگ تھے۔ جن کا اسم گرامی غالباً حکیم شبیہ علی صاحب تھا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ رام پور کے سرکاری کتب خانے میں فائز یا ان کے والد کی تصویر موجود ہے۔ بات دل میں پڑی رہی۔ اب جب کہ فائز کے متعلق میرا کام ختم کے قریب پہنچا تو میں نے اس تصویر کی تلاش میں کتب خانہ رام پور کے فاضل ناظم جناب مولوی امتیاز علی صاحب عرشی سے مدد چاہی۔ موصوف نے کتب خانے کے دفینوں کا جائزہ لے کر فائز کی تصویر ڈھونڈھ نکالی اور عالی جناب خواجہ غلام السیدین صاحب مشیر تعلیمات ریاست رام پور کی اجازت سے اس کا فوٹو کھنچوا کر مجھے بھیج دیا۔ فائز کی تصویر ملنے سے مجھ کو بہت خوشی ہوئی اور میں دل سے ان سب حضرات کا شکرگزار ہوں جنھوں نے اس کے حصول میں میری اعانت فرمائی۔

پنجاب یونیورسٹی کے قابل ریڈر ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے فائز کے کئی رسالوں کا پتا بتایا جو اُن کی یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ تھے اور یونیورسٹی کے اربابِ اختیار نے وہ رسالے کچھ مدّت کے لیے لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں منتقل کر دیے ۔ میں ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اگر اُن کی امداد مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں ان رسالوں کے مطالعے سے محروم اور میرا کام نامکمل رہ جاتا۔

سید مسعود حسن رضوی

۱۲ر جون سنہ ۱۹۴۵ء

کتاب کی تالیف و ترتیب اور اُس کی کتابت و تصحیح کے درمیان میں بہت سا وقت گزر گیا ۔ اِس تاخیر سے یہ فائدہ ہوا کہ بہت سی کام کی باتیں اور معلوم ہو گئیں ۔ اِن میں سے کچھ متنِ کتاب میں شامل کر دی گئی ہیں اور کچھ مقدمۂ کتاب کے آخر میں ’ملحقات‘ کے عنوان سے درج کر دی گئی ہیں۔

سید مسعود حسن رضوی

۲۵ جولائی سنہ ۱۹۴۶ء

نواب صدرالدین محمد فائز دہلوی

فائز دہلوی کی اصل تصویر جو ریاست رام پور کے سرکاری کتب خانے کے مرقع نمبری ۲۴ میں موجود ہے، اس میں فائز کا محل اور پائیں باغ بھی دکھایا گیا ہے۔ جو تصویر اس کتاب کے ساتھ شائع کی جارہی ہے وہ اسی محل کے صرف بالاخانے کا عکس ہے۔ افسوس ہے کہ پوری تصویر کا عکس مجھے نہیں مل سکا۔ اصل تصویر پر فائز کا نام یوں لکھا ہوا ہے "نواب صدرالدین محمد خان بہادر خلف نواب زبردست خان بہادر ابن نواب ابراہیم خان بہادر" اور 'اشرف علی خان' کی مہر لگی ہوئی ہے۔ کتابخانہ رام پور کے فاضل ناظم مولوی امتیاز علی صاحب عرشی نے اپنے ایک خط میں اس تصویر کا بیان اِن لفظوں میں کیا ہے :-

"نواب صاحب اپنے محل کی بالائی منزل پر رونق افروز ہیں۔ دائیں جانب عمارت کے نیچے باغ ہے نشست تخت پر ہے پیچوان لگا ہوا ہے۔ پشت پر چار خادم، دو کے ہاتھ میں مورچھل اور دو کے ہاتھوں میں سرپوش سے ڈھکی ہوئی قابیں ہیں۔ سامنے سات خادم کھڑے ہیں، ایک کے ہاتھ میں سرپوش سے ڈھکی ہوئی قاب، دوسرے کے نیام میں رکھی ہوئی شمشیر ہے بقیہ دست بستہ کھڑے ہیں۔ نواب صاحب کو نحیف الجثہ دکھایا ہے اور لباس وہ ہے جو محمد شاہ کے عہد میں مروج تھا۔"

جن حضرات کے توسط سے یہ تصویر حاصل ہوئی ہے اُن کا شکریہ کتاب کے دیباچے میں ادا کیا جاچکا ہے اور یہاں پھر ادا کیا جاتا ہے۔

نواب صدر الدین محمد خاں بہادر فائز دہلوی

فائز کی قدامت

شمالی ہند کے رہنے والے اُردو زبان کے جن شاعروں کا حال اب تک معلوم ہو چکا ہے۔ اور جن کا کلام معتدبہ مقدار میں دستیاب ہو چکا ہے۔ اُن میں شاید کوئی بھی اتنا قدیم نہیں ہے، جتنا فائز دہلوی ۔ بعض لوگ شاہ حاتم کو دہلی میں اُردو کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حاتم کی شاعری کی ابتدا کا ذکر دو جگہ ملتا ہے۔ ایک دیوان زادۂ حاتم کے دیباچے میں، دوسرے مصحفی کے تذکرۂ ہندی میں۔ان دونوں کی ضروری عبارتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں :-

"از سنہ یک ہزار و یک صد و بیست و ہشت تا یک ہزار و یک صد و شصت و ہشت کہ قریب چہل سال باشد نقد عمر در یں فن صرف نمودہ .... در شعر فارسی بہ طرز مرزا صائب و در ریختہ بہ طور ولی رحمہا اللہ اوقات خود بسر می برد و ہر دو را استاد می دانند" (دیباچہ دیوان زادہ)

"روزے پیش فقیر نقل می کرد کہ در سنہ دوم فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہ جہان آباد آمدہ و اشعارش بر زبان خرد و بزرگ جاری گشتہ ۔ با دو سہ کس کہ مراد از ناجی و مضمون و آبرو باشد بنائے شعر ہندی را بر ایہام گوئی نہادہ داد معنی یابی و تلاش مضمون تازہ می دادیم" (تذکرۂ ہندی)

ان دونوں عبارتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ حاتم ۱۱۲۸ھ سے فارسی میں شاعری کر رہے تھے۔ مگر جب محمد شاہی عہد کے دوسرے سال یعنی ۱۱۳۲ھ میں ولی کا دیوان دہلی آیا اور ان کا کلام ہر طبقے میں مقبول ہوا تو حاتم نے ناجی، مضمون اور آبرو کے ساتھ اُردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ فائز اپنا کلیات، جس میں اُردو دیوان بھی شامل ہی ۱۱۲۷ھ میں مرتب کر چکے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ فائز کا کلیات مرتب ہو چکنے کے ایک سال بعد حاتم نے فارسی میں اور پانچ سال بعد اُردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ اس طرح حاتم اور اُن کے ساتھ اُردو شاعری شروع کرنے والے تمام شاعروں پر فائز کا تقدم ثابت ہی۔ حاتم کے ہم عصروں میں نام مصطفیٰ خاں یک رنگ بھی تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہی کہ وہ حاتم سے بہت پہلے اُردو میں شعر کہنے لگے تھے۔ فائز نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں یک رنگ کا ایک مصرع تضمین کر دیا ہی وہ مقطع یہ ہی:-

فائز کو بھایا مصرع یک رنگ اے سجن
گر تم ملوگے غیر سے دیکھوگے ہم نہیں

یہ مقطع بتاتا ہی کہ اس زمین میں یک رنگ کی غزل پہلے سے موجود تھی اور اسی غزل پر فائز نے غزل کہی ہی اور اس امر میں بھی کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ یک رنگ فائز کے ہم عصر تھے۔ فائز کے ایک دوسرے ہم عصر میر جعفر تھے جو زٹل یا زٹلی کی صفت کے ساتھ آج بھی مشہور و معروف ہیں۔ ان کا اُردو کلام کافی مقدار میں اب تک موجود ہی۔ مگر وہ زیادہ تر ہجو اور فحش پر مشتمل ہی۔ بہر حال اُردو کے سنجیدہ شاعروں میں قدامت کے اعتبار سے فائز کو ایک خاص امتیاز حاصل ہی۔ قدامت کے علاوہ ان کی شاعری

اپنی خصوصیتوں کی بنا پر بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ان وجوہ سے اُردو شاعری کے آیندہ مورخ فائز کو نظر انداز نہ کرسکیں گے۔

فائز کی تصنیفیں

صدرالدین محمد خاں فائز نہایت ذی علم اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کے متعلق ہماری تقریباً کل معلومات اُنھیں کی تصنیفوں سے ماخوذ ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اُن کی تصنیفوں کی فہرست ضروری تفصیلوں کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

۱۔ اعتقاد الصّدر۔ یہ ایک مختصر رسالہ عقائد میں ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۷۴ھ کا نقل کیا ہوا راقم کے پاس موجود ہے۔ ایک دوسرا قلمی نسخہ لکھنؤ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔ جس کے سرورق پر مصنف کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اس مُہر میں یہ الفاظ درج ہیں "صدرالدین محمد خاں ۱۱۲۲" اور سرِ صفحہ پر لکھا ہے "غرّہ ربیع الثانی ۱۱۲۵ھ داخل کتاب خانہ شد" قیاس کہتا ہے کہ یہ نسخہ مصنف کی مِلک تھا۔ اِس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں بھی ہے۔ اُس کے سرورق پر مصنف اور محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہریں پڑی ہوئی ہیں۔

۲۔ طریق الصّدر۔ یہ ایک مختصر رسالہ اصولِ دین میں ہے۔ اس کی ابتدا میں مصنف لکھتا ہے:۔

"یکے از برادران ایمانی خواست از من کہ کلمۂ چند مختصر از اصولِ دین نگارش کنم۔ اگرچہ سابق در کتاب احیاء القلوب و اعتقاد الصدر دریں باب آنچہ بایست نوشتہ شد۔ لیکن آں عزیز درباب اختصار و بیان عمدۂ حقائق فیہ بجد شد بنا بر علیہ کلمۂ چند مرّۃً بعد اولیٰ و کرّۃً بعداً اخریٰ مرقوم نمود ....

...... و ایں رسالہ را بہ طریق الصّدر مسمّیٰ نمود"

اس رسالے کا ایک نسخہ سید جالب مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں شامل اور جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کے سرورق پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مہر لگی ہوئی ہے اور خاتمے پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں "تمام شد ۲۰ جمادی الثانی ۱۲۴۷ھ ہجری"

۳۔ صراط الصّدر:۔ اس رسالے کا موضوع بھی وہی ہے جو اوپر کے دو رسالوں کا ہے۔ اس کی تمہیدی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے:۔

"احقر عباد در اصول دین چند رسالہ مثل اعتقاد الصّدر و طریق الصّدر وغیرہ تالیف نمودہ۔ لیکن عبارات آں رسالہا فی الجملہ دقیق بود۔ بنائً علیہ بہ التماس عزیزی بہ طریق اختصار وایجاز کلمۂ چند دریں رسالہ کہ مسمّیٰ بہ صراط الصّدر است تحریر نمود۔"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ فائز نے اصول دین پر کئی رسالے لکھے تھے جن میں سے تین کے نام اپنے نام کی رعایت سے اعتقاد الصّدر، طریق الصّدر اور صراط الصّدر رکھے تھے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں ہے۔ جو اعتقاد الصّدر کے ساتھ ۱۲۴۷ھ میں نقل کیا گیا تھا اور ایک نسخہ لکھنؤ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔ جس کے سرورق پر دو مہریں لگی ہوئی ہیں۔ ایک مصنف کی جیسی کہ اعتقاد الصّدر کے سرورق پر ہے اور دوسری محمد برہان الدین حسن خاں کی اور یہ الفاظ بھی درج ہیں "چہارم صفر داخل کتاب خانہ شد" یہ نسخہ بھی مصنف کی ملک معلوم ہوتا ہے۔ اس نسخے کے خاتمے پر لکھا ہے "بہ تاریخ غرۂ شہر محرم الحرام در پرگنہ سیال کوٹ تمام شد۔"

اس رسالے کا ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں بھی ہے۔

۴ - معارف الصّدور۔ اس رسالے میں وہ حدیثیں معتبر کتابوں سے اخذ کر کے جمع کر دی گئی ہیں جو "احوال حضرت صاحب الامر" پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ رسالہ ایک مقدّمے، چھ لمعات اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ اس کا جو قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے وہ مصنّف کی ملک تھا۔ اُس کے سر ورق پر 'صدر الدین محمد خاں' اور 'محمد برہان الدین حسن خاں' کی مُہریں لگی ہوئی ہیں اور یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"غرّہ جمادی الثانی داخل کتاب خانہ شد۔"

۵ - تبصرۃ الناظرین - رویت باری تعالیٰ کا نزاعی مسئلہ اس مختصر رسالے کا موضوع ہے۔ اشاعرہ رویت کے قائل ہیں اور معتزلہ منکر۔ ان دونوں فریقوں کی دلیلیں اس رسالے میں جمع کر دی گئی ہیں تاکہ اُن پر غور کر کے لوگ اس مسئلے میں صحیح رائے قائم کر سکیں۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اُس کے سر ورق پر مصنّف کی مُہر پڑی ہوئی ہے اور یہ عبارت درج ہے۔ "داخل کتاب خانہ شد۔ ۱۱ محرم الحرام ۱۲۳۵ھ" یہ رسالہ بھی مصنّف کی ملک تھا۔

۶ - احزان الصّدور - یہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب ہے۔ مصائب انبیا اور واقعاتِ کربلا اس کا موضوع ہے۔ اس کا دیباچہ کئی حیثیتوں سے اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے یہاں من و عن نقل کیا جاتا ہے:-

" امابعد چنیں گوید احقر انام کلب امیر المومنین و عترت طاہرین صدر الدین محمد خاں بن زبردست خاں غفر اللہ

ذنوبہا یوم المیزان کہ در ایام عاشورا جمیع محبانِ اہلبیت تعزیہ می گیرند و کتب تاریخ کہ مشتمل بر جور و ستم اعدائے دین است بہ مطالعہ می آرند تا بہ وسیلۂ آں مغموم و مہموم شوند۔ بنا برآں بہ خاطرِ قاصر رسید کہ خلاصۂ مضمون آں عباراتِ جاں سوز و مختصر آں کلماتِ غم اندوز تحریر نماید۔ ہر چند دریں مقدمہ بہ قدر حال ہر یک از جگر سوختگان وادی غموم رسالہا مرقوم نمودہ لیکن بہ وسیلۂ خواندن آں مطالب حسنۂ عظیم برائے محرر اوراق ثبت می گردد خواست کہ بہ فحوائے "الدال علی الخیر کفاعلہ" داخل ایں ثواب گردد۔ و اگرچہ در کتبِ حدیث بعض امور را مثل احوال حضرت شہر بانو و حضرت قاسم و پسران مسلم و غیرہ نوع دیگر نوشتہ اند، لیکن چوں ایں قصہ ہا موجب گریہ است و اصل دریں باب ہمیں است، بنا برآں متابعت ارباب سیر نمودہ شد۔ و ایں رسالہ مسمیٰ بہ احزان الصدور مشتمل است بر دہ اندوہ۔ امید کہ باعث حزن و بکا و دخول جنتِ مومنین گردد کہ "من بکیٰ علی الحسین او تباکیٰ وجبت لہ الجنۃ۔"

یہ کتاب عشرۂ محرم کے مجالس عزا میں پڑھنے کے لیے "دہ مجلس" کے طور پر لکھی گئی ہے، اس لیے دس حصوں میں تقسیم کردی گئی ہے جن کو مصنف اندوہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے:-

اندوہ اوّل - احوال انبیا۔ اندوہ دوم - احوال حضرت خیر البشر۔ اندوہ سیوم - احوال حضرت سیدۃ النسا۔ اندوہ چہارم - احوال حضرت

امیرالمومنین ۔ اندوہ پنجم ۔ احوالِ حضرت امام حسن ۔ اندوہ ششم ۔ احوالِ مسلم بن عقیل ۔ اندوہ ہفتم ۔ احوالِ فرزندانِ مسلم بن عقیل ۔ اندوہ ہشتم در تقضائے چند از احوالِ شاہِ شہدا و بیان ثواب گریہ در ماتم آں حضرت ۔ اندوہ نہم ۔ در واقعۂ کربلا و جورِ منافقان و شہادتِ آں امام مظلوم مقتول ۔ اندوہ دہم ۔ در بیان اُمورے کہ بر اہل بیت و عترتِ آں حضرت بعد شہادت پیش آمد تا بردن بہ شام پیشِ یزید۔

اندوہ اوّل کی تمہید میں مصائبِ انبیا کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

> "و از جملہ واقعہ ہا صعب ترین وقائع واقعۂ شہدائے کربلاست کہ ہیچ دیدہ بدیں گونہ مصیبتے ندیدہ و ہیچ گوشِ ازیں نوح بلیتے نشنیدہ ۔ و ازیں جاست کہ محبان اہل البیت ہر سال کہ ماہ محرم در آید مصیبت شہدا را تازہ سازند و بہ تعزیت اولادِ صدرِ رسالت پردازند ۔ ہمہ را دل بر آتشِ حسرت بریاں و دیدہ ہا از غایت حیرت گریاں ۔"

اِس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ اُس کے سرورق پر مصنف کی مُہر پڑی ہوئی ہے اور یہ عبارت درج ہے "بتاریخ غرّۂ جمادی الثانی ۱۱۲۵ھ داخل کتاب خانہ شد۔"

احزان التقدور کے اقتباس جو اوپر نقل کیے گئے ہیں اُن کے دو جملے "در ایام عاشورا ...... تعزیہ می گیرند" اور "محبان اہل البیت ...... بہ تعزیت اولادِ صدرِ رسالت پردازند" ایسے رواج کا پتا دیتے ہیں جو کہ اُس زمانے میں عشرۂ محرم میں عزاداری عموماً اور معمولاً ہوا کرتی تھی۔

۷ - احیاء القلوب - یہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب پیغمبر اسلام کے حالات میں ہے - اس میں تیئیس مقالے اور ایک طولانی خاتمہ امامت کے بیان میں ہے - اس کے مختصر دیباچے کا ضروری حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے -

"چنیں گوید اضعف عباد صدر الدین محمد ابن زبردست خاں غفر اللہ ذنوبہا کہ بہ خاطرِ فقیر رسید شمہ از احوال حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بعض امورِ دیگر کہ مناسب بداں باشد تحریر نماید - بنا بر علیہ مقالہ چند از روئے کتب حدیث و سیر مقتضی خیر الامور ما قل و دل بہ قید تحریر در آورد و تالیف نمود و مسمّٰی بہ احیاء القلوب کرد"

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے - اس کے سرورق پر مصنف کی وہی مہر لگی ہوئی ہے جس کا اعتقاد الصدور اور صراط الصدور کے نسخوں کے سلسلے میں ذکر ہو چکا ہے اور لکھا ہے - "غرۂ شہر رجب داخل کتاب خانہ شد" یہ نسخہ بھی غالباً مصنف کی ملک تھا -

۸ - رسالۂ مناظرات - یہ رسالہ سات مجلسوں پر مشتمل ہے - ہر مجلس میں فائز نے محمد شاہی عہد کے امیر الامرا صمصام الدولہ خاں دوران خاں بہادر کے یہاں اپنا جانا اور کسی نزاعی مذہبی مسئلے پر مناظرہ کرنا بیان کیا ہے اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۲۷۶ھ میں نقل کیا گیا تھا - راقم کے کتب خانے میں موجود ہے - اس نسخے پر اس کا نام رسالۂ منظرات لکھا ہوا ہے - لیکن یہ غالباً کاتب کا سہو قلم ہے - رسالے کے مندرجات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کا نام رسالۂ مناظرات ہوگا - اس نسخے کی ابتدا میں عنوان کے طور پر یہ عبارت درج ہے :-

"رفتنِ جدِّ مرحوم و مغفور نواب صدرالدین محمد خاں بہادر بہ ملاقات
نواب خانِ دوراں خان بہادر و احوال آں"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کا کاتب اور مالک فائز کے اخلاف میں سے تھا۔ ریاست رام پور کے سرکاری کتب خانے میں بھی اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کے سرورق پر "رسالہ بحث" اور پہلے صفحے پر "رسالہ منظرات" لکھا ہوا ہے۔ دونوں جگہ کاتب نے ایک ایک الف حذف کر دیا ہے۔ حقیقت میں اس کو رسالہ مباحث اور رسالہ مناظرات لکھنا چاہیے تھا۔ اس نسخے میں عنوان کی عبارت زیادہ تفصیلات کی حامل ہے۔ اس سبب ذیل میں نقل کی جاتی ہے:-

"در بیان رفتنِ جدِّ مغفور نواب صدرالدین محمد خاں بہادر
نبیرۂ نواب علی مردان خاں بہادر فیروز جنگ امیرالامرائے
ہندوستان بہ ملاقات صمصام الدولہ امیرالامرا نواب خان
دوران خان بہادر مرحوم و احوال آں کہ خود شان نوشتہ اند"

آغاز کتاب کے پہلے بسم اللہ جو لکھی گئی ہے اس کے اوپر یہ عبارت کسی دوسرے شخص نے لکھ دی ہے۔ اس نسخے کے سرورق پر مصنف کی مہر لگی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ پہلے مصنف کی ملک تھا لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے اخلاف میں سے کسی کے قبضے میں آ گیا تھا۔

امیرالامرا کی مجلسِ علمی

رسالہ مناظرات میں سات مجلسوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے چار مجلسیں رات کے وقت واقع ہوئیں، جن میں امیرالامرا شریک تھے، اور ایک دن کے

آخری حصے میں۔ اُس وقت امیرالامرا محل کے اندر تھے۔ دیوان خانے میں دوسرے لوگ موجود تھے۔ اُن میں اور فائز میں مذہبی مناظرہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا اور فائز اپنے گھر واپس آ گئے۔ اس وقت تک امیرالامرا محل سے برآمد نہیں ہوئے تھے۔ دو مجلسوں کا وقت نہیں بتایا گیا ہے مگر ان دونوں میں بھی امیرالامرا موجود تھے۔ ان سات مجلسوں میں سے پانچ میں فائز نے طالب علموں کا مجمع دکھایا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں :۔

"جمعے از طالب علمان نشستہ از ہر باب گفتگو می نمودند" "بہ دستورِ سابق جمعے از طالب علمانِ پوربی و پنجابی جمع بودند" "طالب علماں در قال وقیل بودند"۔ "بہ دستور طالب علماں را در قال وقیل یافتم"۔ "بہ دستور قال وقیلِ طالب علماں درمیاں بود"۔

فائز نے ان مجلسوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیرالامرا کے یہاں روز شام کو طالب علموں کا مجمع ہوتا تھا۔ اور علمی و مذہبی گفتگو ہوا کرتی تھی جن میں امیرالامرا خود بھی شریک رہتے تھے۔ علامہ آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ میں انھیں امیرالامرا کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"با علم و علما سرے داشت۔ دانش مندانِ جید فراوان جمع کردہ درخورِ مرتبۂ ہر کدام رعایت می نمود و ہر شب بعد نمازِ مغرب تا نیم شب در حضورِ او مجلسِ فضلا انعقاد می یافت و مباحثِ علمی درمیان می آمد"۔

فائز کے بیانات سے امیرالامرا کے یہاں کی مجالسِ علمی کے متعلق

جو جو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان سب کی تصدیق علامہ آزاد کی اس تحریر سے ہوجاتی ہے۔ صرف ایک قابلِ لحاظ فرق رہ جاتا ہے کہ علامہ آزاد جن لوگوں کا ذکر فضلا کے لفظ سے کرتے ہیں۔ فائز ان کو بار بار طالب علم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان دونوں بیانوں میں بہ ظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ فائز نے بعض دوسرے موقعوں پر بھی لفظ طالب علم کو عالم یا ذی علم کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ان عالموں یا طالب علموں میں سے دو کے نام بھی فائز نے لیے ہیں۔ ایک واسع خاں۔ دوسرے ملا امان اللہ ساکن خطہ۔ واسع خاں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ مذہبی مباحثوں میں وہ سب سے آگے رہتے تھے۔

۹۔ انیس الوزرا۔ یہ محقق طوسی کی مشہور کتاب اخلاقِ ناصری کا خلاصہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے دیباچے کا ایک حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جس میں اس کا سبب تالیف بیان کیا گیا ہے:-

"چنیں گوید احقر عباد صدرالدین محمد خاں ابن زبردست خاں ابن علی مردان خاں کہ روزے در مجمع دوستاں کہ اکثرے از آنہا طالب علم و شاعر نکتہ سنج بودند مذکور تہذیب اخلاق کہ بہترین صفات انسانیت است بلکہ انسانیت بدون آں ممکن و متصور نیست درمیان بود۔ در اثنائے آں حال و مقال نقیر گفت کہ درمیان این امور بہترین رسالہ ہا اخلاق ناصری است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در جواب گفتند کہ فہمیدن معانی آں کتاب اشکال تمام دارد۔ مگر آں کہ کسے خلاصہ مضمون آں بعبارت

واضح بہ قید تحریر در آوردہ و سلمان متفق اللفظ والمعنی
تعہد ایں امر خطیر را بہ جانب ایں قلیل البضاعت نمودند۔
ہر چند اعراض نمود قبول نیفتاد۔ لا علاج باشتت احوال و
ضیق مجال و ہجوم آلام و تفرق بال و ضعف دماغ کمر ہمت
برایں مہم بست . . . . وچوں تفہیم ایں معنی ارباب
دول سیما وزرا را حاجت بیش تر است مسمی بہ انیس الوزرا نمود۔

اس عبارت میں "اخلاق ناصری است" کے بعد اس کتاب اور اس کے مصنف دونوں کی بہت طولانی تعریف عربی فقروں میں کی گئی ہے۔ جس کو میں نے بے ضرورت سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

فائز نے اس خلاصے میں اصل کتاب کی توضیحی عبارتیں حذف کردی ہیں اور ضروری عبارتیں تقریباً لفظ بہ لفظ لے لی ہیں۔ انیس الوزرا بائیس تعلیموں میں تقسیم کی گئی ہے۔ گیارھویں تعلیم میں چھ فن بارھویں میں پانچ تیرھویں اور چودھویں تعلیم میں چار چار۔ پندرھویں تعلیم میں دو اور بائیسویں تعلیم میں بارہ فن شامل ہیں اور آخر میں خاتمہ ہے۔ کتاب کے ان سب حصوں کے عنوان عربی میں ہیں۔ یہ خلاصہ اخلاق ناصری کے مقالہ اول قسم اول کی فصل دوم سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی نفس ناطقہ کی تعریف سے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔

۱۰۔ ارشاد الوزرا۔ ایلیٹ اور ڈاؤسن کی مشہور کتاب ہسٹورینز ہسٹری آف انڈیا[۱] میں ایرانی مورخ خواند میر کی تصنیف

۱۔ Historians, History of India by Elliot and Dowson Vol IV P. 148

دستورالوزرا کے بیان میں لکھا ہے کہ بعد کو اسی موضوع پر ایک اس سے چھوٹی کتاب ارشادالوزرا کے نام سے صدرالدین محمد ابن زبردست خان نے ہندوستان میں محمد شاہ کے عہد میں لکھی۔ اُس کتاب میں ہندوستان کے وزیروں کے حالات بھی ہیں جو دستورالوزرا میں شامل نہیں ہیں۔ مگر وہ کتاب بہت مختصر ہے۔ اُس کا ایک نسخہ لکھنؤ میں فرح بخش کے شاہی کتب خانے میں تھا۔

لندن میں برٹش میوزم کے کتب خانے میں ارشادالوزرا کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے۔ اس کتب خانے کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کتاب میں مشہور وزیروں کے مختصر حالات درج ہیں۔ کتاب بارہ مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقالۂ اوّل میں عقلائے قدیم یعنی فیثاغورث، جاماسپ، سقراط، افلاطون، ارسطو وغیرہ کا ذکر ہے اور یہ لوگ گشتاسپ، بہمن، ہمائے، دارا، اور دوسرے بادشاہوں کے وزیروں کی حیثیت سے پیش کیے گئے ہیں۔ بقیّہ مقالوں میں حسب ذیل مسلمان بادشاہوں اور شاہی خاندانوں کے نامی وزیروں کا ذکر ہے:۔

بنی اُمیّہ، بنی عباس، آل سامان، سلاطین غزنوی، آل بویہ، سلاطین سلجوقی، خوارزم شاہی خاندان، چنگیز خاں اور اُس کے جانشین، آل مظفر اور غوری خاندان، تیمور، ہندوستان کے تیموری یعنی مغل بادشاہ۔

ارشادالوزرا کا جو نسخہ برٹش میوزیم میں ہے وہ آخر سے ناقص ہے۔ اُس میں آخری حال جہاندار شاہ کے وزیر ذوالفقار خاں ابن اسد خاں کا ہے[1]۔

(حاشیہ صفحہ ۲ پر)

۱۱۔ نجم القدر ۔ اِس رسالے کا موضوع علم ہیئت کا ایک شعبۂ معرفتِ تقویم ہے، جس کو مصنّف "اول مرتبۂ تحصیل نجوم" قرار دیتا ہے ۔ بعض اور اُمور متعلقہ کا بیان بھی ہے جن کی اکثر ضرورت پڑتی ہے ۔ اِس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ وہ نسخہ مصنّف کی مِلک تھا ۔ اُس کے سر ورق پر خود مصنّف اور محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہریں لگی ہوئی ہیں اور یہ عبارت درج ہے :-

"۲۰ ربیع الثانی ۱۱۳۵ھ داخل کتاب خانہ شد ۔"

۱۲۔ تحریر القدر ۔ اِس مختصر رسالے میں مبتدیوں کو حساب کے ضروری قاعدے بتائے گئے ہیں اور یہ علّامہ شیخ بہاء الدین عاملی کی کتاب پر مبنی ہے ۔ اِس رسالے کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے ۔ اُس کے سر ورق پر مصنّفِ رسالہ اور محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہریں پڑی ہوئی ہیں اور لکھا ہے "رسالۂ تحریرات در علم حساب ۔"

۱۳۔ رسالۂ مالیخولیا معروف بہ بنطاسیا ۔ اِس رسالے میں مرض مالیخولیا کے اقسام، اسباب، علامات اور علاج کا بیان ہے ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ اُس کے سر ورق پر مصنّف کی مُہر پڑی ہوئی ہے اور رسالے کے نام کے نیچے 'جلد چہاردہم' لکھا ہوا ہے ۔ معلوم نہیں کہ اِس سے کیا مُراد ہے ۔

---

(۱) دیکھو Catalogue of Persian Manuscripts in the British Museum Library, Vol. I pp. 338.339. سلہ ذی نٹ نوٹ صفحہ ۱۹

۱۴۔ ہدایۃ الصّدور۔ اس مختصر رسالے میں علم قیافہ کا بیان ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کے سرورق پر مصنف کی مُہر ہے اور یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ "غُرّہ جمادی الثانی ۱۲۳۵ھ داخل کتاب خانہ شد۔" یہ نسخہ مصنف کی ملک تھا۔

۱۵۔ زینۃ البساتین۔ یہ رسالہ باغبانی اور کاشتکاری کے فن میں ہے اور اس کی تالیف میں شفا، منہاج، ذخیرہ، کتاب یوحنا، عجائب المخلوقات، تقویم الصحّۃ، آثار اخبار رشیدی اور فلاحت کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔ اس کے سرورق پر محمد برہان الدین حسن خاں کی مُہر پڑی ہوئی ہے۔

۱۶۔ تحفۃ الصّدور۔ اس رسالے میں مقدّمے اور خاتمے کے علاوہ بیس فصلیں ہیں، جن میں سے سترّہ فصلوں میں گھوڑے کے متعلق ہر طرح کی معلومات اور اس کے مختلف مرضوں کے علاج درج ہیں اور آخری تین فصلوں میں سے ایک میں گدھے اور خچّر کا ایک میں اونٹ کا اور ایک میں ہاتھی کا بیان ہے۔ اس رسالے میں جگہ جگہ ایسے ذکر آگئے ہیں جن سے فائز اور ان کے والد کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

اس رسالے پر لفٹنٹ کرنل ڈی، سی فِلٹ، D.C. Phillott، نے انگریزی میں حاشیے لکھ کر اس کو اشاعت کے لیے مرتب کیا اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اس کو بیپٹسٹ مشن پریس میں چھپوا کر

سنہ ۱۹۱۱ء میں شائع کیا۔ اِس مطبوعہ نسخے کے سرورق پر اُس کا نام فرس نامہ اور اُس کے مصنف کا نام 'زبردست خاں' لکھا ہوا ہی۔ مگر اُس کے دیباچے سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ یہ رسالہ اپنے موضوع کے اعتبار سے تو 'فرس نامہ' کہا جا سکتا ہی۔ لیکن مصنف نے اِس کا نام تحفۃ القدر رکھا ہے۔ مصنف کے نام میں غلطی ہو جانے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہی کہ اُنھوں نے دیباچے میں اپنے باپ کا نام پہلے اور اپنا نام بعد کو یوں لکھا ہی "عاصی پر معاصی قلیل البضاعت ابن زبردست خاں قدس اللہ روحہ المخاطب بہ صدرالدین محمد خاں غفراللہ ذنوبہ" اگر فلڈٹ صاحب ان لفظوں پر ذرا سا غور کرتے تو اُن کی سمجھ میں آ جاتا کہ اِس رسالے کے مصنف صدرالدین محمد خاں ہیں اور اِس کی تصنیف کے وقت اُن کے والد زبردست خاں کا انتقال ہو چکا تھا۔

تحفۃ القدر کے اِس ایڈیشن کا پیش نامہ سرآشوتوش مکرجی نے لکھا ہی۔ انھوں نے بھی بیٹے کی تصنیف باپ کی طرف منسوب کر دی ہی۔ اور لکھا ہی کہ ریو (Rieu) نے اپنی فہرست کتب میں ایک 'زبردست خاں' کا ذکر کیا ہی جو ابراہیم خاں کے بیٹے اور ارشادالوزرا کے مصنف تھے۔ مگر یہ بے چارے ریو پر ایک اتہام ہی۔ اس نے زبردست خاں کا کچھ حال تو ضرور لکھا ہی لیکن ارشادالوزرا کو اُن کی نہیں بلکہ اُن کے بیٹے صدرالدین محمد کی تصنیف بتایا ہی۔ اور یہی صحیح ہی۔

۱۷۔ رقعات القدر۔ فائز نے اپنے خطوں کا ایک مجموعہ مرتب کر کے رقعات القدر اس کا نام رکھا تھا۔ اُس میں سے ایک سو چودہ منتخب خطوں کا مجموعہ منتخب رقعات القدر کے نام سے کلیاتِ فائز کے موجودہ نسخے میں شامل تھا۔ مگر اب وہ خطبۂ کلیات کے ساتھ علیحدہ جلد میں

بندھا ہوا جامعۂ ملیۂ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ خط اپنی نوعیت کے لحاظ سے دس فصلوں میں تقسیم کردیے گئے ہیں۔ ان میں سے نویں فصل میں وہ خط ہیں جن میں مختلف صنعتیں استعمال کی گئی ہیں اور دسویں فصل میں وہ خط ہیں جن میں مختلف علموں کی اصطلاحوں سے کام لیا گیا ہے یا علمی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ رقعات سے پہلے ایک مقدمہ ہے۔ اور آخر میں خاتمہ مشتمل بر نصیحت نامہ ہے۔ ایک سو چودہ خطوں میں سے صرف آٹھ کے مکتوب الیہ معلوم ہیں۔ ان آٹھ خطوں میں ایک خط میر کلاں کے نام، ایک مہابت خاں کے نام، ایک لطو میاں کے نام، ایک حکیم الممالک کے نام اور چار حکیم مومن علی خاں کے نام ہیں۔ رقعات الصّدر کا مقدمہ کافی طولانی ہے۔ اس کی ابتدا میں مصنف اپنی اس کتاب کا تعارف یوں کرتا ہے:۔

"این رقعاتے چند است کہ احقر انام صدر الدین محمد بن زبردست خاں غفر اللہ ذنوبہا برائے جمعے از احباب مرقوم نمودہ، چوں خالی از نکات معنویہ و مناسبات لفظی نبود در یک رسالہ جمع نمود۔ برسبیل منشیان بلاغت نشان از طول عبارت آرائی کہ مطلب بہ چندیں ورق از سر جیب دور ماند اجتناب نمودہ بمقتضائے خیر الکلام ما قلّ و دلّ بلاغت عبارت و بیان مدعا کوشیدہ و ہر یک مقاطع با موقع و کنایات لطیفہ و ابیات مناسب و شعر [illegible] رنگ محل [illegible] فی الکلام کالملح فی الطعام۔ چوں از [illegible] راستے بہ شعر و سخن بود [illegible]

بعد چندے بہ تحریک و تحریص عزیزے مشغول ترتیب آں
متفرقات کہ چوں زلف دلبراں پریشان بود گشتہ مانند خاطر
محبوباں جمع ساخت۔ نظم را در دیوان ونثر را دریں مجموعہ
مسمّٰی بہ رقعات الصّدور منتظم و منسلک گردانید"
اس مقدمے کے علاوہ پر فائز لکھتے ہیں : ۔
" رقعاتے چند کہ چوں رقعۂ براۃ از مدتے مارید جمع
نمودہ بودم آنہا را پنبہ دوزی کردہ باہم وصل نمودم و زنگ
کلفت از دل اہل طبع زدودم "
رقعات الصّدور کا یہ نسخہ اس قدر آب رسیدہ ہو کہ بہت مشکل سے
پڑھا جاتا ہو۔ اس کے علاوہ آخر سے کم بھی ہو۔ دسویں فصل کے بیس
خطوں میں سے صرف گیارہ موجود ہیں۔ باقی نو خط اور خاتمہ پورا غائب ہو
اس نسخے کے کاتب کوئی احمد علی ہیں اور اس کے سرورق پر محمد برہان الدین حسن
خاں کی مہر لگی ہوئی ہو۔

۵۔ خطبۂ کلیات۔ یہ فائز کے کلیات کا طولانی مقدمہ ہو جس میں
شاعری کے جواز و عدم جواز، شعر کی مدح و ذم، عربی و فارسی شاعری
کی ابتدا، بیان و بدیع، عروض و قافیہ، مبالغہ و اغراق، اصنافِ سخن،
صنائعِ شعریہ، وغیرہ کا بیان ہو۔
اس خطبے میں فائز نے شعرائے ایران کے کلام پر رائے زنی کی ہو، اپنی شاعری
کے محرکات اور خصوصیات بتائے ہیں، قصیدہ گوئی سے اختلاف کیا ہو، شعر کی عظمت
دکھائی ہو، اور اپنے کلیات کی ترتیب کا حال بیان کیا ہو۔ یہ خطبہ فائز کی استعدادِ علمی،
وسعتِ نظر، مہارتِ فن، قدرتِ نظم اور صحتِ ذوق کا ثبوت دیتا ہو اور کئی حیثیتوں سے

بہت اہمیت رکھتا ہے۔

خطبۂ کلیات کے تین نسخے موجود ہیں۔ ایک میں جگہ جگہ ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے۔ اس کے سرورق پر مصنف کی مہر لگی ہوئی ہے، جس میں صرف 'صدرالدین محمد خاں' لکھا ہوا ہے، کوئی سن درج نہیں ہے۔ اس مہر کے نیچے ایک عبارت تھی جو اب بہت کچھ مٹ گئی ہے، صرف یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں" بتاریخ بست و نہم...... در خانہ...... زبردست خاں..... نوشتہ شد" مصنف کی مہر اور یہ عبارت بتاتی ہے کہ یہ نسخہ مصنف کی ملک تھا۔ اور اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس میں جو ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے وہ خود مصنف نے کی ہے۔ اس نسخے کے سرورق پر دو مہریں اور بھی ہیں۔ ایک میں 'حسین بن الرضا' اور دوسری میں 'علی بن الرضا' درج ہے۔ اسی سرورق پر ایک جگہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں " دیوان بخط جسونت رائے "۔ اس نسخہ کا کچھ حصہ غائب ہو گیا ہے۔ خطبۂ کلیات کا دوسرا نسخہ صاف ہے مگر اس کا زیادہ حصہ غائب ہے۔ تیسرا نسخہ صاف بھی ہے اور کامل بھی۔ اس پر 'محمد برہان الدین حسن خاں' کی مہر پڑی ہوئی ہے۔ بیشتر یہ تینوں نسخے کلیات فائز کے ساتھ منسلک تھے، مگر اب رقعات القدر کے ساتھ ایک علاحدہ جلد میں بندھے ہوئے ہیں، جو جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۱۵۔ **دیوان فارسی** ۔ فائز کے کلیات کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس میں فائز کے فارسی اور اردو دونوں دیوان شامل ہیں۔ اس نسخے کے سرورق پر "محمد برہان الدین حسن خاں" کی مہر لگی ہوئی ہے اور اس میں ۱۲۴۳ھ درج ہے۔ یہ برہان الدین حسن خاں کوئی بڑے علم دوست بزرگ تھے۔ انھوں نے کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ کوئی پندرہ سولہ برس ہوئے کہ میں نے اس علمی سرمایہ کو لکھنؤ کے نخاس میں لٹتے دیکھا تھا۔ اس مال غنیمت میں سے ایسی چند کتابیں میرے بھی ہاتھ لگیں جن پر ان کے سابق مالک کی مہر لگی ہوئی ہے۔

کلیاتِ فائز کی تکمیل و ترتیب

فائز نے اپنے کلیات کا جو خطبہ لکھا ہے اس میں کلیات کی

تکمیل و ترتیب کا حال یوں بیان کیا ہے:-

" مخفی نماند کہ ایں رسالہ در ابتدائے سن شباب چناں چہ مذکور شد مرقوم شدہ بود۔ منجملہ آں اشعار مفیشیے داشتم کہ موافق طبع خود پارۂ انتخاب کردہ بود و از روئے آں منتخب اکثر عزیزاں نقول برداشتہ بودند۔ و فقیر نظر برآں کہ رطب و یابس در کلام می باشد ارادۂ نظرِ ثانی برآں داشت۔ لیکن تا پانزدہ سال میسر نیامد کہ اشتغال دیگر درمیان بود۔ بعد از انقضائے ایں مدت در سنہ یک ہزار و یک صد و چہل و دو، فرصتے اتفاق افتاد۔ نظرِ ثانی برآں مجموعہ کردم۔ قریب یک سال دریں کار کشید۔ آں چہ بہ عقل ناقص رسید حتی المقدور حک و اصلاح و کم و زیاد کرد۔ تا ایں رسالۂ کلیات بدیں تفصیل بر بیست و ہشت کتاب مرتب گردید"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فائز کا کلیات ان کے عنفوانِ شباب میں مکمل ہو چکا تھا اور وہ اشاعت سے پہلے اس پر نظرِ ثانی کرنا چاہتے تھے لیکن دوسرے مشاغل نے پندرہ برس تک اس کام کی مہلت نہ دی اتنی مدت گزر جانے کے بعد ۱۱۴۲ھ میں کچھ فرصت ملی اور انھوں نے تقریباً ایک سال کا وقت صرف کر کے اپنے کلام میں ترمیم و اصلاح اور کمی و بیشی کی اور اپنے کلیات کو اٹھائیس کتابوں یعنی حصوں میں مرتب کیا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ۱۱۴۲ھ سے پندرہ برس پہلے یعنی ۱۱۲۷ھ میں جو عہدِ فرخ سیر کا پانچواں سال تھا۔ فائز کا کلیات مکمل ہو چکا تھا۔

کلیاتِ فائز کے خطبے سے جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے اس میں فائز نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے ایک منشی نے ان کے کلیات میں سے کچھ اشعار

اپنی پسند کے موافق منتخب کر لیے تھے اور لوگوں نے اس انتخاب کو نقل کر لیا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ ذرا آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ اگر میرے کلام کے مختلف نسخوں میں کوئی فرق یا اختلاف نظر آئے تو اس کا یہی سبب سمجھنا چاہیے مگر وہی صورت معتبر ہے جو نظرِ ثانی میں قائم رہی۔ اُن کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"اگر در عبارات نسخ تناقضے واختلافے ظاہر شود ازیں جہت باید دانست و معتبر ہمیں است کہ در نظر ثانی بحال ماندہ"

کلیاتِ فائز کی بیت شماری

اس مقام پر فائز نے کلیات کے اٹھائیس حصوں کی تفصیل لکھ دی ہے۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے کہ کلیات کے پیش نظر نسخے میں فہرست مضامین کی جگہ جو بیت شماری دیوان کلیات دی ہوئی ہے اس میں ان سب حصوں یا بہ قول فائز کتابوں کے نام آگئے ہیں اور وہ بیت شماری ذیل میں نقل کی جاتی ہے:۔

شمار	نام کتاب	تعداد ابیات		شمار	نام کتاب	تعداد ابیات	
۱	خطبہ	سماعیہ	۶۵۶	۸	مربع ترکیب	[illegible]	۱۳۵
۲	قصائد	[illegible]	۲۲۹۸	۹	ترکیبات	[illegible]	۲۳۳
۳	قطعات	[illegible]	۶۰۳	۱۰	ترجیعات	[illegible]	۱۹۲
۴	غزلیات	×	×	۱۱	مفردات	[illegible]	۴۳۳
۵	رباعیات	[illegible]	۲۲۸	۱۲	مراثی	[illegible]	۳۳۳
۶	مستزاد	[illegible]	۸۹	۱۳	بحر طویل	[illegible]	۵۰
۷	مخمسات	[illegible]	۲۰۲	۱۴	تسمیط	[illegible]	۹۱

[illegible] ۵۶۴۴

شمار	نام کتاب	تعداد ابیات	
۱۵	مثنویات بحر مولوی رومی	سمامعہ	۳۷۷
۱۶	مثنویات بحر شاہنامہ	لمالعہ	۷۹۶
۱۷	" بحر خسرو شیریں	الالعہ	۰۴۱
۱۸	" لیلیٰ مجنوں	حمالعہ	۵۵۱
۱۹	" بحر حدیقہ	سمامعہ	۶۷۰
۲۰	" بحر خرنامہ	الماسہ	۴۳۰
۲۱	" سبحۃ الابرار	سمامعہ	۳۵۷
۲۲	بحرہائے غیر مشہور	ادیسہ	۱۲۵
۲۳	لطائف	الصامعہ	۱۵۱۵
۲۴	ہجویات	السامعہ	۱۳۹۱
۲۵	غزلیات ریختہ	امالعہ	۴۵۱
۲۶	مثنویات ریختہ	صماسنے	۵۰۳
۲۷	ملمعات	مہیسہ	۳۸
۲۸	خاتمہ	العیسہ	۱۲۹
		الصمالعہ	۹۳۶۴

" میزان کل سوائے غزلیات کہ در جلد علیحدہ است صمالعہ بیت "

کلیاتِ فائز کے پیشِ نظر نسخے کی "بیت شماری" اسی طرح دو کالموں میں دی گئی ہے اور تعداد ابیات صرف رقم میں لکھی ہوئی ہے۔ چوں کہ اکثر لوگوں کے لیے رقم کا پڑھنا مشکل ہے اس لیے یہاں بیتوں کی تعداد ہندسوں میں بھی لکھ دی گئی ہے۔ میں نے ان رقموں کو بڑی احتیاط سے پڑھا اور بار بار جوڑا ہے۔ پہلے کالم کی میزان صحیح اور دوسرے کی ۹۳۶۴ کی جگہ ۸۱۶۴ یعنی بارہ سو بیت کم نکلتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میزان کل ۱۵۰۰۸ کی جگہ ۱۳۸۰۸ رہ جاتی ہے۔ اس میزان میں خطبۂ کلیات کی ۶۵۶ بیتیں یعنی نثر کی سطریں بھی شامل کر لی گئی ہیں مگر فارسی غزلوں کے اشعار شامل نہیں کیے گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ غزلیں علیحدہ جلد میں ہیں۔ مگر کلیات کے اس نسخے میں فارسی غزلیں بھی موجود ہیں، جن کے اشعار کی تعداد تقریباً تین ہزار ہے اور "ترک" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حصۂ غزلیات میں

آخر کے کچھ ورق غائب ہیں۔ بیت شماری میں مراثی کے ۳۴۴ شعر دکھلائے گئے ہیں۔ لیکن کلیات کے اس نسخے میں کوئی مرثیہ موجود نہیں ہے اسی طرح ہجویات جو ۱۳۹۱ بیتوں میں تھیں اس نسخے میں بالکل نہیں ہیں۔ بیت شماری کے بعد تفصیل مندرجات ہے اور اس کے بعد مثنویوں کی دو تفصیلی فہرستیں ہیں۔ پہلی فہرست میں انھیں مثنویوں کے نام ہیں جو اس نسخے میں موجود ہیں مگر دوسری فہرست میں ان کے علاوہ انتیس فارسی مثنویوں کے نام اور ملتے ہیں جو اس نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلیات کے اس نسخے میں فائز کا کل کلام شامل نہیں ہے اس کے مندرجات کی تفصیل جس سرخی کے ماتحت درج کی گئی ہے اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے وہ سرخی یہ ہے:-

"تفصیل آنچہ دریں دیوان منتخب کلیات است بموجب این جدول است۔"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فائز کا پورا کلیات نہیں ہے بلکہ منتخب کلیات ہے جس کو دیوان قرار دیا ہے۔

۲۔ دیوانِ ریختہ۔ فائز کے کلیات میں اُن کے فارسی دیوان کے ساتھ اردو دیوان بھی شامل ہے مگر قرینہ کہتا ہے کہ ان کا اردو دیوان کلیات سے علیحدہ بھی شائع ہوا تھا۔ منشی کریم الدین نے اپنے تذکرے طبقات شعرائے ہند میں فائز کا نام اور ولدیت بتانے کے بعد لکھا ہے:

"اس نے ایک دیوان غزلیات اور قصیدہ اور کچھ مثنویات کا لکھا ہے۔ ایک مثنوی بیان پنگھٹ، دوسری جوگن، تیسری مالن، چوتھی گوجری، پانچویں تنبولن، چھٹی بھٹنی میں۔"

فائز نے فارسی میں چھوٹی بڑی کوئی سو مثنویاں لکھی ہیں لیکن کریم الدین نے صرف چھ مثنویوں کا ذکر کیا ہے جو سب کی سب اُردو میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فائز کا جو دیوان دیکھا تھا وہ صرف اُردو کلام پر مشتمل تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ فارسی کلام کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے جو مقدار میں اُردو کلام کا پندرہ سولہ گُنا ہے۔

فائز کے اُردو کلام کی مقدار

فائز کے اُردو دیوان کے جس نسخے کا ذکر مولوی کریم الدین نے کیا ہے اس میں غزلیات و مثنویات کے علاوہ قصیدہ یا قصیدے بھی تھے مگر اس کا جو نسخہ میرے پیشِ نظر ہے اس میں کوئی قصیدہ نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ فائز کے موجودہ فارسی دیوان کی طرح اُن کے اُردو دیوان میں بھی ان کا کل کلام شامل نہیں ہے۔ اس بات کا ایک کھلا ہوا ثبوت اور بھی ہے۔ کریم الدین نے جن چھ مثنویوں کا ذکر کیا ہے اُن میں سے ایک کا موضوع مالن اور ایک کا گوجری تھا۔ یہ دونوں مثنویاں اس نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میرے اس نسخے میں جہاں چند چیزیں کریم الدین کے نسخے سے کم ہیں وہاں گیارہ نظمیں زائد بھی ہیں۔ ان میں نو مثنویاں ہیں ایک مخمس ترجیع بند اور ایک بحر طویل۔

کلیات فائز کی 'بیت شماری' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غزلیات ریختہ کے ۴۵۱ شعر اور مثنویات ریختہ کی ۵۰۳ بیتیں شامل تھیں۔ مگر حقیقت میں اس میں غزلوں کے صرف ۱۷۶ شعر اور مثنویوں کی ۳۶۰ بیتیں ہیں۔ غزلوں کے شعروں کی کمی کا سبب یہ ہے کہ ان کے درمیان میں دو جگہ سے کچھ ورق غائب ہو گئے ہیں، جیسا کہ ترقیمے پر نظر کرنے سے صاف

ظاہر ہوتا ہی مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مثنویوں کی بیتیں کیوں کر کم ہو گئیں بہرحال فائز کا موجودہ اُردو دیوان اُن کے کل اُردو کلام پر مشتمل نہیں ہی۔ اس کے پیش نظر نسخے میں اٹھائیس مکمل غزلیں، چار غزلوں کے ایک ایک دو دو شعر، ایک مخمس ترجیع بند، ایک بحر طویل اور تیرہ مثنویاں شامل ہیں۔ واضح ہو کہ کلیاتِ فائز میں فارسی غزلیں، ردیف وار درج ہیں لیکن اُردو غزلوں میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی ہی غالباً تعداد کی کمی کے باعث اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

فائز کی تالیف انیس الوزرا کا جو نسخہ میرے کتب خانے میں ہی اس کے سرورق پر ان کے رسالوں کی فہرست دی ہوئی ہی جو یہاں بجنسہٖ نقل کی جاتی ہی: -

"۱ انیس الوزرا در اخلاق ۲ تبصرۃ الناظرین در کلام
۳ طریق الصدر در کلام ۴ فوائد الصحت در حکمت۔
۵ نجم الصدر در نجوم ۶ ہدایۃ الصدر در عمر قیافہ۔
۷۔ احزان الصدر در تاریخ ۸ منتخب الصدر در تاریخ۔"

ان آٹھ رسالوں میں سے چھ کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہی۔ صرف دو یعنی فوائد الصحت اور منتخب الصدر کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہو سکی۔ اس طرح فائز کی چھوٹی بڑی بائیس تصنیفوں کا علم ہو چکا ہی، جن میں سے انیس میری نظر سے گزر چکی ہیں، ایک کا تفصیلی حال دوسرے معتبر مصنفوں نے بتایا ہی اور دو کے صرف نام اور موضوع معلوم ہوئے ہیں۔

فائز کے آبا و اجداد

فائز اپنی تصنیف میں اپنا نام صدر الدین محمد اور اپنے والد کا نام زبردست خاں مرحوم لکھتے ہیں۔ انیس الوزرا میں انھوں نے اپنے دادا کا نام بھی بتایا ہی

جو علی مردان خاں ہی اس مختصر نشان دہی پر تاریخ کی کتابوں کی سیر کی تو معلوم ہوا کہ فائز ایک عالی خاندان ذی عزت اور خوش حال آدمی تھے۔ اُن کے بزرگ کئی پشتوں سے ایران اور ہندوستان میں بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہوتے چلے آتے تھے۔ اس طرح عزت اور دولت ان کو ورثے میں ملی تھی۔

فائز کے دادا کا دادا گنج علی کُرد قوم سے تھا۔ ایران کے صفوی بادشاہ شاہ عباس ماضی کے لڑکپن میں وہ اُس کے پاس ملازم تھا اُس نے شاہزادے کی اتنی خدمت کی کہ جب وہ بادشاہ ہوا تو اپنے قدیم وفادار ملازم کو اس حسنِ خدمت اور بہادرانہ کارناموں کے صلے میں خان کا خطاب اور بابا کا لقب عنایت کیا۔ گنج علی خاں تیس برس تک کرمان کا مستقل حاکم رہا۔ قندھار کا قلعہ جو اکبر کے زمانے میں مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گیا تھا، جہاں گیر کے عہد میں شاہ ایران کے قبضے میں چلا گیا اور گنج علی خاں اس کا قلعہ دار مقرر ہوا۔ سنہ ۱۰۳۴ھ میں ایک رات کو ایک ناگہانی حادثے سے اس کا انتقال ہو گیا۔ شاہ عباس نے اس کے بیٹے علی مردان بیگ کو خان کا خطاب اور بابائے ثانی کا لقب دے کر باپ کی جگہ قندھار کا قلعہ دار مقرر کر دیا۔

شاہ عباس ماضی کے بعد اُس کا پوتا شاہ صفی ایران کا بادشاہ ہوا تو اس نے بے بنیاد شبہوں پر بڑے بڑے امیروں کو معزول کر دیا۔ اسی زمانے میں شاہ جہاں بادشاہ نے قندھار کا قلعہ دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ علی مردان خاں نے شاہ صفی کو

اس صورت حال کی اطلاع دی مگر توقع کے خلاف اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ خود اُسی کی طرف سے بدگمان ہوگیا اور سر دربار اُس کو سزا دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ علی مردان خاں کے طرف دار، جو صفوی دربار میں موجود تھے انھوں نے شاہی عتاب کی خبر اُس کو پہنچا دی۔ اپنی جان اور مال کو خطرے میں دیکھ کر علی مردان خاں نے قندھار کا قلعہ شاہ جہاں کے حوالے کر دیا اور خود اُس کی پناہ میں آگیا۔ شاہ جہاں نے لاہور میں بڑی عزت کے ساتھ دربار میں بلایا اور ایک بیش بہا خلعت، طلاکار چار قُب، کلغی، مرصع خنجر، مرصع تلوار، دو گھوڑے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا۔ اور شش ہزاری منصب عطا کرکے کشمیر کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ شاہ جہاں کے جلوس کے بارھویں سال یعنی ۱۰۴۸ھ کا ہے۔ اس کے دوسرے سال ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب ملا اور کشمیر کے علاوہ لاہور کی صوبہ داری بھی عنایت ہوئی۔ تین سال بعد امیر الامرا کا خطاب پاکر کل شاہ جہانی منصب داروں سے بڑھ گیا۔ کوئی بیس سال تک علی مردان خاں کے تدبر اور شجاعت سے بڑے بڑے کام بنتے رہے اور بڑی بڑی مہمیں سر ہوتی رہیں اور سرکار شاہی سے اُس پر انعام و اکرام، اعزاز و احترام کی بارش ہوتی رہی۔ یہاں تک ۱۰۶۷ھ آگیا۔ اسی سال میں علی مردان خاں نے اسہال کے مرض میں انتقال کیا اور اسی سال شاہ جہاں کو سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا۔ گویا شاہ جہاں کے آفتاب اقبال کا عروج و زوال علی مردان خاں کے ستارۂ حیات سے وابستہ تھا۔ علی مردان خاں کے خلوص عقیدت دانائی اور کار دانی نے شاہ جہاں سے [illegible] بڑا [illegible] لیا تھا۔

وہ اُس کو یارِ وفادار کے الفاظ سے خطاب کرتا تھا۔ اُس کے انتقال کا بادشاہ کو بے حد صدمہ ہوا۔

علی مردان خاں کی دولت و ثروت اور ساز و سامان کی ایک مدت تک ہندستان بھر میں بڑی شہرت رہی۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے بادشاہ کی دعوت کے موقع پر سو سینیاں مع سرپوش سونے کی اور تین سو سینیاں چاندی کی دسترخوان پر رکھی تھیں۔ انتقال کے وقت جو اثاثہ اس نے چھوڑا تھا اس کی مالیت کا تخمینہ ایک کرور روپیہ کیا گیا تھا۔

علی مردان خاں نے چار بیٹے چھوڑے۔ ابراہیم بیگ، اسماعیل بیگ، اسحاق بیگ اور عبداللہ بیگ۔ ابراہیم سب سے بڑا بیٹا تھا اور باپ کی زندگی میں منصب اور خانی کا خطاب پا چکا تھا۔ علی مردان خاں کے انتقال کے بعد شاہ جہاں نے ابراہیم خاں کو اپنے حضور میں طلب کیا اور اس کے منصب میں اضافہ کرکے چار ہزاری سہ ہزار سوار کر دیا۔ اور علی مردان خاں نے جو نقد و جنس ایک کرور کا اثاثہ چھوڑا تھا اُس میں سے آدھا ابراہیم خاں کو عطا کیا اور آدھا شاہی خزانے میں داخل کر دیا۔ ابراہیم خاں کا بھائی عبداللہ بیگ بھی ایک اچھے منصب پر تھا۔ باپ کے مرنے پر سرکار شاہ جہانی سے دو ہزار و پانصدی ہزار و پانصد سوار کا منصب عطا ہوا۔ اسماعیل بیگ اور اسحاق بیگ کو بھی ہزار و پانصدی ہشت صد سوار کا منصب مرحمت ہوا۔ شاہ جہاں کی معزولی کے بعد اُس کے بیٹوں میں تخت و تاج کے لیے جو جنگیں ہوئیں اُن میں یہ چاروں بھائی داراشکوہ کی طرف تھے۔ سموگڑھ کا سخت معرکہ جس میں داراشکوہ نے شکست کھائی۔ اُس میں ابراہیم خاں اور اس کے

بھائی اسماعیل بیگ اور اسحاق بیگ بھی شریک تھے۔ وہ دونوں تو
اس جنگ میں مارے گئے اور ابراہیم خاں نے شاہزادہ مراد بخش کی
رفاقت اختیار کر لی۔ جب عالم گیر تخت سلطنت پر متمکن ہو گیا تو اس نے
ابراہیم خاں اور اس کے بھائی عبداللہ بیگ کو اپنی ملازمت کا شرف
بخشا اور خلعت۔ انعام اور اضافہ منصب سے سرفراز کیا۔ شجاع کی
جنگ اور دارا شکوہ کی دوسری جنگ میں عبداللہ بیگ عالم گیر کے
ساتھ تھا۔ بادشاہ کی سرکار سے اس کو "گنج علی خاں" کا خطاب ملا اور
جلوس عالم گیر کے نویں سال اس کو سہ ہزاری دو ہزار سوار کا منصب
عطا ہوا۔

ابراہیم خاں نے عالم گیر کے عہد میں بہت ترقی کی۔ اس بادشاہ
نے اپنے جلوس کے دوسرے سال اس کو پنج ہزاری پنج ہزار سوار
کا منصب دے کر کشمیر کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اس کے بعد لاہور،
بہار، بنگال، الہ آباد، کشمیر اور احمد آباد گجرات کی صوبہ داری پر
وقتاً فوقتاً اس کا تقرر ہوتا رہا۔ جلوس عالم گیر کے اُنچاسویں سال اس کے منصب
میں اور اضافہ ہوا اور وہ ششش ہزاری ششش ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوا۔
اُس نے دو تین مرتبہ ترک ملازمت کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ہر مرتبہ سرکار
عالم گیری سے اُس کا بیش قرار وظیفہ مقرر ہو گیا۔ ایک مرتبہ کی گوشہ نشینی کے متعلق
تصریح کے ساتھ معلوم ہے کہ ساٹھ ہزار روپے سالانہ اُس کا وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ عالم گیر
کے بعد جب بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو شاہزادہ عظیم الشان نے ایک پرانی ناراضی کی
بنا پر ابراہیم خاں سے مواخذہ کرنا چاہا۔ مگر خان خانان نے ابراہیم خاں کے خاندانی

وقار اور ذاتی اعزاز کا خیال کر کے بادشاہ سے سفارش کی اور بادشاہ نے اُس کو "علی مردان خاں" کا خطاب اور کابل کی صوبہ داری عطا کی۔ ابراہیم خاں پشاور پہنچ گیا۔ مگر بڈھا منصب دار صوبے کا بندوبست جیسا چاہیے تھا نہ کر سکا۔ اس لیے اُس کی جگہ پر ایک اور شخص کا تقرر عمل میں آیا۔ ابراہیم خاں واپس آکر ابراہیم آباد سودھرہ میں مقیم ہو گیا۔ یہ مقام لاہور سے تیس کوس کے فاصلے پر واقع تھا اور اُس کو ابراہیم خاں نے گویا اپنا وطن بنا لیا تھا۔ وہیں چند مہینے کے بعد اُس نے انتقال کیا۔ "ابراہیم آباد سودرہ" کے باغ کی تعریف میں فائزؔ نے ایک مثنوی کہی ہے، جس کے چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:-

درین گلشن کہ مانند بہشت است
ہوا ہموارہ چوں آردی بہشت است

درش چوں جبہہ خوباں کشادہ
صفایش از گلِ بستاں زیادہ

خزاں را نیست در ایں گلستاں
کہ سرسبز است ہمچوں باغِ رضواں

گرفتہ سر بسر روئے زمیں را
کسے کم دیدہ باغے ایں چنیں را

بود از حوض آئینہ کنارش
بسانِ جنتِ الماوی بہارش

چنارہ سرو او از سربلنداں
دمیدہ سبزہ اش چوں خطِ خوباں

چو بہہ رخسارہ را رنگِ طلا کرد
انارش خندۂ دنداں نما کرد

گہر پاشی کند فوارہ دائم
مزاجِ مستقیم اوست قائم

ز دیوارش حوادث بر کنار است
بہ ہر جانب کہ می بینی بہار است

نشاط افزا ست ایں باغ پُر از گل
دہد دل را فرح چوں ساغرِ مُل

ابراہیم خاں کے دو بیٹے زبردست خاں اور یعقوب خاں شاہی منصب دار تھے۔ یعقوب خاں جلوسِ عالمگیر کے اکتالیسویں سال ۱۱۰۹ھ میں

جون پور کا فوج دار مقرر ہوا اور اُنچاسویں سال ۱۱۱۶ھ میں اُس کے منصب میں ہزار سواروں کا اضافہ کیا گیا۔ بہادر شاہ کے عہد میں وہ آصف الدولہ صوبہ دار لاہور کا نائب تھا۔ جس طرح ابراہیم خاں کو اُس کے باپ کے نام پر "علی مردان خاں" کا خطاب ملا تھا، اُسی طرح ابراہیم خاں کے انتقال کے بعد یعقوب خاں کو "ابراہیم خاں" کا خطاب دیا گیا تھا۔

زبردست خاں نے اپنے باپ کی نظامتِ بنگالہ کے زمانے میں رحیم خاں افغان پر، جس نے بردوان اور بعض دوسرے محالوں پر قبضہ کر کے رحیم شاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا، فوج کشی کر کے اُس کو شکست فاش دی تھی۔ عالم گیری عہد کے بیالیسویں سال یعنی ۱۱۰۹ھ میں زبردست خاں صوبۂ اودھ کا ناظم مقرر ہوا۔ اور سہ ہزاری دو ہزار و پانصد سوار کے منصب پر فائز ہوا۔ اُس کے بعد وہ پنجاب کا صوبہ دار مقرر ہوا اور عہدِ عالم گیری کے اُنچاسویں سال ۱۱۱۶ھ میں اجمیر کا صوبہ دار ہوا اور چار ہزاری سہ ہزار سوار کا منصب پایا۔ بہادر شاہ کے عہد میں اُس کا انتقال ہوا۔ عہدِ مغلیہ کے ناموں اور خطابوں پر جن لوگوں کی نظر ہے اُنھیں اِس امر میں شبہ نہ ہوگا کہ "زبردست خاں" نام نہیں بلکہ خطاب ہے۔ عالم گیر کے عہد میں اِس خطاب کے اور لوگ بھی ملتے ہیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اِن زبردست خاں کا نام کیا تھا۔ بہرحال فائزؔ اِنھیں زبردست خاں کے فرزند اور اِسی دودمانِ عالی شان کی یادگار تھے۔[1]

فائزؔ کا زمانہ

فائزؔ کے آبا و اجداد کے حالات تو تاریخ کی کتابوں سے بہت کچھ معلوم کیے جا سکتے ہیں، لیکن خود اُن کا حال مجھے کسی

---

[1] فائزؔ کے بزرگوں کے حالات عالم گیر نامہ، مآثرالامرا، مآثرِ عالم گیری، تاریخِ کشمیر اعظمی، گلزارِ کشمیر، زبدۃ التواریخ، جامع التواریخ اور مفتاح التواریخ سے لیے گئے ہیں۔

تاریخ میں اب تک نہیں ملا۔ اُردو اور فارسی شاعروں کے کثیر التعداد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے جو میری نظر سے گزرے ہیں وہ سب بھی فائز کے حال میں خاموش صرف طبقاتِ شعرائے ہند کے مصنف منشی کریم الدین نے اُن کے اُردو دیوان کا ذکر کیا ہے اور اُن کے متعلق صرف یہ چند لفظ لکھے ہیں "صدرالدین محمد فائز فرزند زبردست خاں کا۔" اس سے زیادہ فائز کے بارے میں اُنھیں کچھ معلوم نہ تھا۔ اُنھوں نے میر، سودا، درد، اور سوز کو اُردو شاعروں کے طبقۂ اوّل میں رکھا ہے اور فائز کو میر حسن، انشا اور جرأت کے ساتھ طبقۂ دوم میں جگہ دی ہے اور اس طبقے کے متعلق لکھا ہے :-

"اس میں اُن شعرا کا ذکر ہے جو مصلح اُردو اور مروج اس زبان کے تھے۔ اور اُنھوں نے الفاظ کریہہ کا استعمال یک قلم زبانِ ریختہ سے موقوف کیا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ کریم الدین نے فائز کے کلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ورنہ اُن کے دیوان کا ہر صفحہ انھیں بتا سکتا تھا کہ انشا اور جرأت کا کیا ذکر فائز میر اور سودا سے بھی کہیں پہلے گزرے ہیں۔

فائز کی زبان کے علاوہ ان کی بعض تحریریں بھی ان کا زمانہ معین کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ ہم اوپر کلّیات فائز کے خطبے کی وہ عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلیات ۱۱۲۷ھ میں یعنی فرخ سیر کی سلطنت کے پانچویں سال میں مرتب ہوا اور ۱۱۴۲ھ میں یعنی محمد شاہ کی سلطنت کے گیارھویں سال میں اُس پر نظرِ ثانی کی گئی۔ رسالہ مناظرات میں وہ مکالمے درج ہیں جو فائز اور بعض علما میں امیر الامرا صمصام الدولہ کے مکان پر مختلف اوقات میں بعض مذہبی مسائل کے متعلق ہوئے تھے۔ صمصام الدولہ کو فرخ سیر کے عہد میں امیر الامرا حسین علی خاں کی نیابت کی

اور محمد شاہ کی سرکار سے امیرالامرا کا مستقل عہدہ عطا ہوا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں وہ نادر شاہ کی فوج سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا۔ فائز نے اپنی ایک فارسی مثنوی میں بادشاہوں کے عبرت ناک انجام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے چند شعر یہ ہیں:-

شہانے کہ بودند گردوں وقار / براوردگیتی از ایشاں دمار
دو سہ روز اورنگ آراستند / خراج از شہانِ دگر خواستند
در اندک زمانے چو گردید بخت / نشستند بر خاکِ خواری ز تخت
ہماں سر کہ شایانِ افسر شدہ / بہ خاکِ مذلت برابر شدہ
من انچہ بدیدم نمایم بیان / ز احوالِ شاہانِ ہندوستان
چو اورنگ زیب از جہاں رخت بست / زبعد وے اعظم بہ تختش نشست
شد اندر دو سہ ماہ دورش تمام / معظم بہ تختِ شہی یافت کام
نشستہ براورنگِ او پنج سال / برفت از جہان با ہزاران ملال
پس او جہاں دار شہ سر کشید / دو روزے سرش بارِ افسر کشید
پس از وے چو فرخ سیر شد عیاں / نہادہ قدم بر سریرِ جہان
جہاں داوری کرد تا ہفت سال / ز فرقش ربودند تاجِ جلال
زبعد وے آمد رفیع الدرج / ندید از جہاں ہیچ حظ و فرج
پس از وے بیامد رفیع دگر / دو سہ مہ نپائید عمرش مگر
پس از وے محمد شہ آمد پدید / کہ در سلطنت خیر حسرت ندید
براحوال ایں ہا بہ عبرت ببیں / بود عاقبت حال ہر کس ہمینا

من آنہا کہ دیدم بسا سال نیست
تمامش بجز چار دہ سال نیست

کلیات فائز کی ترتیب اور تکمیل کی تاریخیں، فائز اور امیر الامرا صمصام الدولہ کی بے تکلف ملاقاتیں، اور سب سے بڑھ کر مثنوی کے یہ شعر، ان سب چیزوں پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فائز نے عالم گیری عہد کا آخری حصہ دیکھا تھا۔ اور وہ محمد شاہی عہد میں بھی موجود تھے۔

فائز کا وطن

فائز کے زمانے کی تاریخ اُن کے وطن کا پتا بھی انھیں کی تحریروں سے لگتا ہے۔ انھوں نے اپنے وطن کا ذکر صاف صاف تو کہیں نہیں کیا ہے لیکن ان کے کلام میں دہلی کا ذکر اس انداز سے اور اس کثرت سے ملتا ہے کہ دہلی کو ان کا وطن قرار دینے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ ان کے فارسی کلیات میں ایک مثنوی نہان نامہ ہے جس میں نگمبود کے گھاٹ پر، جو دہلی میں ہے ہندوؤں کے نہانے کا ذکر کیا ہے۔ تین مثنویاں افترا نامہ، آتش نامہ اور حویلی نامہ ہیں جن میں سے پہلی مثنوی میں دہلی میں کذب و افترا کی کثرت بیان کی ہے، دوسری میں دہلی میں آگ لگنے کی زیادتی دکھائی ہے اور تیسری میں دہلی کے مکان داروں کی مذمت کی ہے۔ ایک مثنوی درگاہ نامہ ہے جس میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عرس کے موقع پر دہلی میں جو میلا لگتا تھا اُس کا حال لکھا ہے۔ ایک مثنوی میں امیر الامرا کے باغ، عمارت اور حمام کی تعریف کی ہے جو دار الخلافہ یعنی دہلی میں واقع تھا۔ ایک مثنوی میں شہر لاہور کی تعریف کرنے کے بعد کہتے ہیں:

بشنو فائز اکنوں بہ دہلی رواں ۔۔۔ رفیق تو لطفِ خدا سے جہاں

فائز کے دہلوی ہونے کا سب سے زیادہ کھلا ہوا ثبوت اُن کی اُس مثنوی سے ملتا ہے جو انھوں نے شاہ جہاں آباد کی تعریف میں لکھی ہے۔

اس میں دہلی کے بازاروں کے بیان میں دریبہ، گزری، نخاس، مغل پورہ اور قاضی کے حوض کا ذکر کیا ہے اور اسی سلسلے میں لکھا ہے :-

پلے راکہ نامش مٹھائی بود زجنس نکو روشنائی بود

مراخانہ بودہ است درایں طرف زنہرست او را سراسر شرف

مٹھائی کا پل دہلی میں اب بھی موجود ہے۔ سعادت خاں کی نہر اس کے نیچے سے گزرتی ہے۔ یہ نہر اب پانی جا رہی ہے مگر اس کے آثار ابھی موجود ہیں اور اس کا نام باقی ہے۔ سعادت خاں (برہان الملک) محمد شاہی عہد کا مشہور منصب دار تھا، جو بعد کو اودھ کی سلطنت کا بانی ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کی بنوائی ہوئی نہر فائز کے سامنے تیار ہوئی ہوگی اور اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے منقولہ بالا شعروں میں اسی نہر کا ذکر کیا ہے۔ غرض کہ یہ دو شعر صاف بتاتے ہیں کہ فائز کا مکان دہلی میں مٹھائی کے پل کے قریب سعادت خاں کی نہر کے کنارے واقع تھا۔ اس مثنوی کا آخری شعر یہ ہے:-

چو فائز اگر سیر دنیا کنی برایں شہر باید کہ ماوی کنی

اس شعر سے بھی یہ بات نکلتی ہے کہ فائز دہلی میں رہتے تھے۔

فائز کے اردو دیوان میں بھی ایک مثنوی کا موضوع ہے۔ وصف بھنگیرن درگاہ قطب اور ایک مثنوی کا موضوع ہے تعریف نہان نگمبود۔ قطب صاحب کی درگاہ اور نگمبود کا گھاٹ دونوں دہلی میں واقع ہیں۔ ایک اردو غزل کے مقطع میں بھی دہلی کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

شہر دہلی میں فائز اب ناہیں ثانی اس دل ربا سریجن کا

مختصر یہ کہ فائز کے دہلوی ہونے میں کسی شبہے کی گنجایش نہیں ہے۔

فائز کی شکل و شمائل

فائز اصل نسل کے ایرانی اور پشتہا پشت کے امیر تھے۔ قیاس کہتا ہے کہ وہ ہاتھ پانو کے اچھے اور چہرے مہرے کے وجیہ ہوں گے۔ اس قیاس کی تصدیق بھی فائز ہی کے بیان سے ہو جاتی ہے وہ اپنے کلیات کے خطبے میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"حسن ظاہر بہترینِ صفات است و دلیلِ خوبیِ باطن
چناں چہ در حدیث وارد شدہ اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ
از ایں جا پیداست کہ قبح منظر دلیلِ سوءِ باطن است۔ نعوذ
باللہ منہا"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ فائز خوب صورت آدمی تھے اگر وہ خود بدصورت ہوتے تو بدصورتی کو بدباطنی کی دلیل قرار نہ دیتے اور اس سے پناہ نہ مانگتے۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہ شعر بھی لکھا ہے جس سے اس خیال کو اور تقویت پہنچتی ہے۔

زشت رو البتہ می باشد شریر   قول و فعلِ او نباشد دل پذیر

فائز خود حسین تھے اور حسینوں کی طرف فطری میلان رکھتے تھے انھوں نے اپنے کلیات کے خطبے میں اپنی گرفتاریٔ دل و تعلّق بہ خوبانِ طاقت گسل" کا ذکر کیا ہے اور رسالۂ مناظرات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امیرالامرا نے اُن سے شکایت کی کہ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے کہ نہ دربار میں شرکت کرتے ہیں نہ میرے گھر آتے ہیں اس سلسلے میں مزاحاً یہ بھی کہا کہ کیا کہیں عاشقی کر لی ہے جو گھر سے باہر نہیں نکلتے ؟ فائز نے جواب دیا کہ فی الواقع میں ہمیشہ سے

عاشق پیشہ تھا لیکن

چناں قحط سالے شد اندر دمشق | کہ یاراں فراموش کردند عشق

اس لیے اب عشق و عاشقی کا ہوش نہیں۔

فائز نے اپنی شگفتہ مزاجی اور صاف دلی کا ذکر کئی جگہ کیا ہے۔ مثلاً ایک قصیدے میں کہتے ہیں:-

اگر کدورت و بغض و نفاق در دلہاست | ہزار شکر کہ آئینۂ دلم بہ صفاست

چو گل شگفتگی افتادہ لازم طبعم | اگرچہ در دل و جانم ز چرخ کلفتہاست

فائز کی نظموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح کی صحبتوں میں بیٹھتے تھے، ہر قسم کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ میلوں ٹھیلوں کی سیر کرتے تھے، اور کھیل تماشے، ناچ رنگ سب کچھ دیکھتے تھے۔ وہ اپنے گھر پر بھی ناچ گانے کے جلسے کرتے تھے۔ کم از کم ایک جلسے کا حال تو انھوں نے خود نظم کیا ہے جو اُن کے یہاں نوروز کے دن ہوا تھا۔ اس نظم کے صرف چار شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:-

یافت ترتیب روزِ نوروزے | خانہ ام مجلسِ دل افروزے

دلبرانِ پری رُخِ رعنا | چوں گُل و لالہ جمع دریک جا

بردہ ہر یک بہ رقص ہوش ز سر | عشوہ و نازِ شان ہمہ دل بر

صوتِ مطرب ز بس گشت بلند | زُہرہ بر چرخ طرح رقص فگند

فائز کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخر عمر میں انھوں نے رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت ترک کر دی تھی اور مے نوشی سے ہمیشہ پرہیز کیا تھا ساقی نامہ کے نام سے انھوں نے ایک طولانی مثنوی کہی ہے جس کے خاتمے میں یہ بھی بتایا ہے کہ شراب اور ساقی کا ذکر جو انھوں نے کیا ہے

اُس سے اُن کی مراد کیا ہے ۔ کہتے ہیں :-

مدہ طول ازیں بیش در گفتگو — کہ بیبا ۔ گوئی نباشد نکو
مکن وصفِ ساقی و ساغر مدام — مطوّل مگرداں بہ ذکرش کلام
کہ جو نیست لائق بہ فرزانہا — بود شُربِ آں کار دیوانہا
زامّ الخبائث بکن احتراز — کہ آنست بدتر ز لحم گراز
مرا شوق ایں بادہ و جام نیست — چنیں فکرتِ پختہ ام خام نیست
مرادِ من از بادہ باشد دگر — ندارد کسے از ضمیرم خبر
بہ دُردی کشانِ محبّت قسم — بہ ارباب و اہلِ مودّت قسم
کہ از بادہ مطلوبِ من کوثر است — مرا نشۂ آں مے اندر سر است
بہ ساقیِ او نیز دل بستہ ام — اگرچہ ز ایّام دل خستہ ام
بہ عشقِ علی در جہاں زندہ ام — بہ لوحِ دلم نام او کندہ ام

یوں تو فائز کو اُن تمام مشغلوں سے کچھ نہ کچھ دلچسپی تھی جو اُس زمانے میں امیری کے لوازم سمجھے جاتے تھے ۔ مگر اُن کو خاص شوق دو چیزوں سے تھا ۔ ایک کتابوں کا مطالعہ ، دوسرے شکار ۔ ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں امیر الامرا نے فائز سے پوچھا کہ "مطالعہ تو موقوف ہوا اب کیا شغل رہتا ہے ؟" فائز نے جواب دیا "کچھ نہیں ۔ اِس لیے کہ دو ہی چیزوں کی طرف طبیعت مائل تھی ، ایک مطالعہ ، وہ طبیبوں کے کہنے سے ترک کر دیا ، دوسرے شکار وہ دار الخلافت میں کسی کو میسر نہیں ۔" (رسالۂ مناظرات)

فائز کی ذاتی وجاہت اور مالی حالت

فائز کے حالات معلوم نہیں مگر قرینہ کہتا ہے کہ وہ خاندانی اعزاز کے علاوہ ذاتی امتیاز کے بھی مالک

تھے۔ اُن کی دو مہریں، جو میں نے دیکھی ہیں، دونوں میں اُن کے نام کے ساتھ "خان" کا لفظ موجود ہو۔ اِس کے علاوہ رسالۂ مناظرات کے سرنامے کی عبارت جو اوپر نقل کی جا چکی ہو۔ اُس میں اُن کا نام "نواب صدرالدین محمد خاں بہادر" لکھا گیا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ نوابی اور خانی کے خطاب پائے ہوئے تھے۔ ان کے ایک شعر سے ان کا صاحب جاگیر ہونا بھی ظاہر ہوتا ہو اور یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ اُن کو جو جاگیر ملی تھی وہ اُن کے استحقاق یا توقع سے کم تھی۔ کہتے ہیں :-

جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کو غم نہیں حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں

رقعات الصّدور کے مقدمے میں جو عبارت علم حساب کے متعلق مے میں لکھی گئی ہو۔ اُس میں یہ الفاظ ملتے ہیں "مراد بہ قسمت تقسیم فمن یعمل است ومقسوم جاگیر است و خارج قسمت امیرزادہ ہا اند" جاگیر کے معاملے میں فائز کی جو حق تلفی ہوئی تھی اُس کی شکایت اِن لفظوں میں بھی مضمر ہو۔ رسالۂ مناظرات سے فائز کی باوقعت شخصیت کا حال یوں بھی معلوم ہوتا ہو کہ وہ امیرالامرا کے حضور میں بلکہ خود اُنھیں سے خطاب کر کے بے تکلفانہ اور بے باکانہ گفتگو کر سکتے تھے اور گفتگو بھی ایسی جس میں امیرالامرا کی ذات اور اُن کے مذہب پر حملے ہوتے تھے۔ باوجود اس کے امیرالامرا فائز کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مہینے کے بعد ملاقات ہوئی۔ جب فائز رخصت ہونے لگے تو امیرالامرا نے کہا کہ مہینا بھر کے بعد آئے اور اتنی جلد چلے۔ ایک مرتبہ تین مہینے کے بعد ملاقات کی نوبت آئی تو امیرالامرا نے شکایت کی کہ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہو کہ نہ دربار میں شرکت کرتے ہیں نہ ہمارے یہاں آتے ہیں۔ یہ الفاظ بتا

رہے ہیں کہ فائز کو دربارِ شاہی میں رسائی حاصل تھی۔

فائز کے باپ دادا کئی پشتوں سے جب دولت و ثروت کے مالک چلے آتے تھے اس کا کچھ حصّہ تو فائز تک ضرور ہی پہنچا ہوگا۔ خود اُن کی بعض تحریروں سے بھی اُن کی خوش حالی کا اظہار ہوتا ہے۔ اپنے ایک دوست کو خط میں لکھتے ہیں کہ جو گھوڑا آپ نے بھیجا ہے وہ بھی بُرا نہیں ہے۔ لیکن جیسا میں نے لکھا تھا ویسا بھیجیے۔ گھوڑا اچھا ہو خواہ کتنی ہی قیمت کا ہو عذیہ ہر قیمت کہ باشد لیکن خوب باشد) ایک خط میں کسی دوست کو لکھتے ہیں کہ ایک ہاتھی مطلوب ہے، مگر معمولی نہ ہو۔ بہت اچھا ہو۔ جس قیمت کا بھی ہو۔ مضائقہ نہیں ہے (بہ ہر قیمت کہ باشد مضائقہ نیست) کسی نے ایک گھوڑا منگوا بھیجا ہے۔ اس کو جواب میں لکھتے ہیں کہ چند گھوڑے جو میرے پاس تھے میں نے بیچ ڈالے۔ اگر کوئی گھوڑا ہوتا تو میں ضرور بھیج دیتا۔ اِن تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فائز کا ایک زمانہ کم از کم ایسا ضرور گزرا ہے جب ان کے اصطبل میں کئی کئی گھوڑے بندھے رہتے تھے اور دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ فائز کی جو تصویر اس کتاب کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے وہ بھی ان کی خوش حالی کا ثبوت دے رہی ہے۔ مگر خوش بختی اور خوش حالی تو ایک اضافی چیز ہے ہم جس حالت کو خوش حالی سمجھ رہے ہیں وہ خود فائز کے نزدیک خوش حالی نہ تھی، کیوں کہ نہ اُن کی مالی حالت وہ تھی جو اُن کے بزرگوں کی رہ چکی تھی نہ اُن کو وہ منصبی اعزاز حاصل تھا جو اُن کے خاندان میں کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔ اُن کی زندگی کا کچھ حصہ ایسا ضرور گزرا ہے۔ جب وہ کسی منصب پر فائز نہ تھے اُن کو یہ شکایت ہے کہ اس عہد میں نام ور خاندانوں کے افراد بے روزگار

اور نیچے گھرانوں کے لوگ برسرِ کار ہیں۔ ہر کس و ناکس کسی نہ کسی منصب پر فائز ہو مگر حق دار اپنے حق سے محروم ہیں اور غیر مستحق لوگ یکایک بڑے سے بڑے منصبوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں رقعاتِ الصّدر کے مقدمے سے تین مختصر اقتباس پیش کیے جاتے ہیں جن میں علم حساب، نحو اور منطق کا تلازمہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔

"مراد بہ خطائیں دو خطا ست، یکے از پا انداختن بزرگ زادہا، دوم کار فرمودن بہ گدا زادہ ہا"۔۔۔ "مستثنیٰ کسے است کہ دریں ایام کم تر از صدی منصب داشتہ باشد"۔۔۔
"قضیۂ اتفاقی آنست کہ در بادشاہ گردش شخصے یک مرتبہ ہفت ہزاری گردد و قضیۂ مہملہ طلب حق خود است سیما از قوی تر سے از خود"

فائز کا ایک خط ہے "در جواب شخصے کہ احوال حضور نوشتہ بود" اس میں بھی دربار کے حالات کی خرابی کا ذکر اور نا اہلوں کے برسرِ اقتدار ہونے کی شکایت کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"آنچہ نوشتہ بودند کہ مقدمات دربار بسیار زبون بہ نظر می آید و کار کسے نمی شود، بدیہی است، دولتہ الاندال آفتہ الرّجال"

فائز نے اپنی نظموں میں جگہ جگہ اپنی بے کاری، اہلِ کمال کی ناقدری اور اربابِ اختیار کی بے امتیازی کی شکایت کی ہے اور اپنی سرفرازی اور بلند اقبالی کے لیے دعا مانگی ہے۔ مثلاً

عاقلاں از بہرِ نانے مضطر اند   ابلہاں با بخت و دولت ہم سر اند

ہرابلہے بدہرشدہ صاحب احتشام علم وکمال ہیچ نیامد بکارِ من

نماندہ کسے درجہاں قدرداں ندیدم کسے را بخود مہرباں

ہمہ دشمنِ مردِ صاحب ہنر ہمہ مائل وراغب سیم وزر

بہ اصحاب معنی ندارند کار گریزند ازایشاں چوحیواں کنار

آں کجا باشد نسب از امیراں تلیم ہمدکم نیست پراپشاں زعفونات جحیم

چوں مجانیں نکند ہیچ کس اوراتعظیم . . . .

ہرطرف می شنوم زمزمۂ بے تانی حاصلے نیست بیاران زخطابِ خانی

رقعات الصّدر کے مقدمے میں لکھتے ہیں :-

"قدیم زمانے میں اہلِ کمال کی بڑی عزت تھی۔ اس لیے کہ اکثر سلاطین اوراہلِ دول دانشمند دوست اورسخن فہم تھے اورچھپے ہوے نکتوں کی تہ تک پہنچ جاتے تھے . . . . اس عصر میں ماہرین فن میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے اورکوئی ان کا طالب نہیں ہے . . . . قدما کا میلان کمال کی طرف تھا اوراس زمانے میں سب بے کمالی

کمال ہے اور منزل ترقی مدارج کا باعث اور تفاخر کا سبب ہو" (ترجمہ)
اسی مقدمے میں آگے بڑھ کر لکھتے ہیں :-

"ایسی افراط و تفریط کی حالت میں کہ اہلِ کمال کی طرح تمیز کا پانو درمیان سے اٹھ گیا ہو کوئی علم کی خواہش کیوں کرے اور کمال کس لیے حاصل کرے اگر صاحب کمال ہو جائے گا تو اُس کے مرتبے میں کیا زیادتی ہو جائے گی اور اگر نادان رہ جائے گا تو اس کے رُتبے میں کیا کمی رہ جائے گی۔ سخن فہم کون ہے اور دیکھنے والا کہاں ہے یہی سبب ہے کہ کمال کی کساد بازاری یہاں تک پہنچ گئی ہے اور اقلیم سخن کی خرابی اِس حد تک کھنچ گئی ہے اگر معقول بات کہو تو کوئی تعریف نہیں کرتا اور مہمل بکو تو کوئی منہ پر نہیں مارتا" (ترجمہ)

فائز کبھی کبھی اپنی آمدنی کی کمی اور خرچ کی زیادتی سے سخت پریشان ہو جاتے اور کہتے ہیں :-

مرا کرد دیوانہ فکرِ معاش — از آں رفتہ از دستِ من انتعاش

مگر کبھی اپنے دل کو یوں تسکین دے لیتے ہیں کہ منصب نہ ملا تو اچھا ہوا کہ حلال کی روٹی کھاتے ہیں اور کسی کے آگے سر نہیں جھکاتے ۔

بود ہر روزیِ من دادہ حق زوجہ حلال — بہ مالِ شبہ ازاں دست آشنا نکنم
زفضلِ حق بہ جہاں سرفراز چوں سروم — برائے کورنش و تسلیم تن دوتا نکنم

فائز کی بیماری

فائز ایک طرف بے کاری سے پریشان تھے ، دوسری طرف بیماری سے نالاں تھے ۔ ایک مناجات میں کہتے ہیں :-

ہوا دل تنگ میرا اس جہاں سے — توقع کچھ نہیں اب دوستاں سے
کہ بے کاری و بیماری بلا ہی — فقیر اِن دو بلا میں مبتلا ہی
شفاخانے سے اپنے بخش صحت — سرافرازی کی جگ میں بھیج خلعت
شفا دے فائزِ زار و حزیں کو — بلند اقبال کر اندوہ گیں کو

ایک منقبت میں یہ دو شعر ملتے ہیں :-

شکرِ سودا نے کیا ہی ہجوم — چھائے مرے دل پہ غمام غموم
فائزِ بیدل کوں سرافراز کر — صحتِ جاوید سوں ممتاز کر

یہ شعر بتاتے ہیں کہ فائز کبھی سوداوی مرض میں مبتلا تھے ۔ وہ اپنے رسالۂ مالی خولیا کے دیباچہ میں لکھتے ہیں ۔ " ایں ہیچ مداں را از سنِ طفولیت سودا در مزاج غالب بود و از خیالاتِ غیر متناہی آں لحظۂ فارغ نہ بود ۔" اُن کی بعض دوسری تحریروں سے معلوم ہوتا ہی کہ اُن کو خفقان کی شکایت پیدا ہو گئی تھی وہ ایک منظوم خط میں شاہی طبیب حکیم الملک کو لکھتے ہیں :-

ای مسیحا نفس طبیبِ زماں — در مدادا ترا یدِ بیضا
زاں خطابِ تو شُد حکیم الملک — کہ کنی زندہ ہر نفس موتیٰ
می کشد خاطرم بہ دشتِ جنوں — ہست ایں حال لازمِ سودا
ہر دمے در نظر بہ چندیں رنگ — جلوہ ہا می کند خیالِ رسا
گشت دِل تنگیم چو غنچۂ گُل — شد دلم خوں چو لالۂ حمرا
خفقاں از خیالِ ہم نفسی — مُردہ راہے بہ خلوت دل ہا
گر رسد نسخۂ ز یاقوتی — نفع بخشد مرا دریں اثنا
باید اجزائے آں بود یکسر — تقویت بخشِ قلب و روح افزا

اِس کے بعد نسخے کے اجزا بھی تجویز کیے ہیں اور وہ یہ ہیں ۔ یشب ۔ لعل عقیق

مروارید، حجر الیتس۔ بسد۔ کاہ ربا، عنبر، مشک، صندل، کافور، عود، زعفران، جوزبوا۔ انھیں حکیم الملک کو ایک دوسرے قطعے میں لکھا ہو کہ ایک ہفتہ آپ کا نسخہ استعمال کیا۔ دماغ میں مادّے کا کسی قدر حبس ہو گیا ہو، جس سے دماغ پریشان ہو۔ اگر تنقیۂ دماغ ضروری ہو تو پھر آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔ ایک مثنوی میں انھوں نے اپنی حالتِ زار ذرا تفصیل سے بیان کی ہو، اُس کے چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:-

زسودا چناں شد مزاجم خراب　　که کس را نگویم زکلفت جواب
حواسم نماندہ چو دیوانہ ہا　　دلم وحشتے دارد از خانہ ہا
نہ با باغ رغبت نہ شوقے بہ گل　　نہ ذوقے بجام و نہ خواہش بہ مُل
نہ میلے سوئے دشت و صحرا و کوہ　　نہ حظّے ز باغات و الاشکوہ
ندارد دلم رغبتے بر شکار　　گرفتہ طبیعت از ایں با کنار
نہ شوقِ ملاقات ہم سایہ ہا　　نہ خواہش بہ دیدارِ ہم پایہ ہا
ندارم دماغے بدرس و کتاب　　کہ شبہا ز فکرم نبردہ است خواب
ز وضعِ فلک گشتہ جانم ملول　　نشستم ز کلفت بہ کنجِ خمول

فائز کے خطوں میں ایک حکیم الممالک کے نام اور چار حکیم مومن علی خاں کے نام ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ حکیم الملک، حکیم الممالک اور مومن علی خاں سے ایک ہی ذات مراد ہو۔ ان خطوں سے معلوم ہوتا ہو کہ حکیم مومن علی خاں نے ایک مرتبہ فائز کو دوار المسک بھیجی تھی اور ایک مرتبہ سرمہ۔ حکیم الممالک کے نام جو خط ہو اُس میں بھی فائز نے اپنے مراق اور خفقان کا ذکر کیا ہو۔ اس خط کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہو:-

"مہربانِ من چہ گویم و چہ نویسم از احوالِ کثیر الاختلال سراپا ملالِ طفلِ طبیعتم کہ از سنِ صبی الیٰ یومنا ہذا در مہدِ عافیت نشو و نما یافتہ بود سرگشتۂ بادیۂ حیرانیست و تو [illegible] آمدہ [illegible]

ہموارہ در کشمکش جمعیتہ بسر می برد ہاموں نوردصحرائے سرگردانیست
ذہن دقا دعایم کہ طعنہ برافلاطون می زد مضحکۂ پست فطرتان
گردیدہ وعقل نکتہ فہم کہ باساکنانِ سموات دست گریبان
می شد بہ جمع القہقرا سر کشیدہ حافظہ ام کہ لوح محفوظ
بود یصفش تا آں جاکہ آنچہ بادسپردہ بودم نسیًا منسیا بل کان
لم یکن شیئاً مذکورا ''

فائز کی تحریروں کا غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بے کاری ، بیماری یا مالی بے اطمینانی اور اہل زمانہ کی گردش سے بے زاری - اِن سب چیزوں کے مجموعی اثر نے اُن کو خانہ نشین بنا دیا تھا اور انھوں نے لوگوں سے ملنا جلنا بہت کم کر دیا تھا - اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ایک مرتبہ فائز تین مہینے کے بعد امیر الامرا سے ملے تو انھوں نے یہ شکایت کی کہ آپ نہ دربار میں جاتے ہیں نہ میرے یہاں آتے ہیں - رقعات الصدور کے مقدمے میں فائز نے سب سے مجالست ترک کر کے ایک مخلص دوست کی صحبت پر قناعت کرنے کا سبب بیان کیا ہے - یہ بیان انھیں کی زبان سے سنیے :-

" دریں عصر آنچہ بہ نظر می آید نادیدنیست وہرچہ مسموع
می شود ناشنیدنی وآنچہ بہ عمل می آید ناکردنی - اگر نفی آں
کردہ شود برایشاں شاق واگر تصدیق آں نمودہ شود
مالا یطاق - علی کل التقدیرین باعث تصدیع طرفین شود
. . . . بناءً علیہ ترک مجالست ہمہ نمودم ودوستے مشفق
وانیسے محب کہ ہموارہ ہم نفس است . . . .
اختیار فرمودم ''

اس کے بعد اُس دوست کی تعریف عربی میں لکھی ہی اور عربی ہی میں اُس کے نام کے کئی معمّے بنائے ہیں۔ اِن معموں سے وہ نام "تجرید" نکلتا ہی، جس کے معنی ہیں تنہائی۔ فائز کا مطلب یہ ہی کہ سب لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ کر تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرلی ہی۔

فائز کی علمی استعداد

فائز کی علمی استعداد بہت اچھی تھی۔ فارسی زبان پر اُن کو جو عبور تھا وہ اُن کی متعدد تصنیفوں اور ضخیم فارسی دیوان سے ظاہر ہی۔ وہ فارسی ادب بالخصوص فارسی شاعری، میں بہت وسیع نظر رکھتے تھے۔ اپنے کلیات کے خطبے میں ایک جگہ لکھا ہی:۔

"فقیر قریب پنجاہ دیوان از قدما و استاداں بہ مطالعہ درآوردہ احوالِ ہر یک و مراتبِ کلامِ ایشاں سنجیدہ"

اِس کے بعد فارسی کے باون (۵۲) شاعروں کا ذکر کیا ہی اور اُن کے خصوصیات نہایت اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہی:۔

"طور و طرزِ ہر یک جداست۔ کسے کہ مدتہا مطالعہٗ کتب ہر یک نمودہ باشد برو پوشیدہ نخواہد بود"

اسی خطبے میں دوسری جگہ اپنے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اکثر مطالعہٗ کتب اشعارِ استاداں می نمود۔ زینے کہ خوش آمد درآں فکرِ نظم می نمود"

ان قولوں کے علاوہ فائز نے اپنے کلّیات کے خطبے میں ایرانی شاعروں کی تصنیفوں کے حوالے دیے ہیں اور اُن کے شعر مختلف

موقعوں پر کثرت سے نقل کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی فارسی مثنویوں کو اُن کی بحروں کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور ان بحروں کے نام یوں بتائے ہیں۔

بحر مثنوی مولوی روم و معراج الخیال، بحر مثنوی شاہ نامۂ فردوسی و سکندر نامۂ نظامی گنجوی، بحر مثنوی خسرو شیرین زلالی و نظامی و یوسف زلیخائے جامی، بحر مثنوی حدیقۂ سنائی و ہفت پیکر نظامی و سلسلۃ الذہب جامی، بحر مثنوی لیلیٰ مجنوں نظامی و جامی و نل دمن فیضی، بحر مثنوی مخزن الاسرار نظامی، نقش بدیع غزالی، و خبر نامہ محمد قلی سلیم، بحر مثنوی سبحۃ الابرار جامی و بدن نمائے میر سید علی ہمہری، بحرہائے مختلف سوائے ہفت بحر مشہور۔

اس سے بھی فارسی کے ادب منظوم میں فائز کی وسعتِ نظر کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

فائز کو اپنی فارسی دانی پر ناز تھا اور فارسی نظم و نثر میں وہ اپنے ہم عصروں میں سے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اُن کا ایک خط جو کیے از مردم خطۂ ..... کسی کشمیری کے نام ہے جس نے اُن کے شعر کو اصلاح طلب کہہ دیا تھا، ان کی اس خود پسندی کی غمازی کر رہا ہے۔ اس خط کا ضروری حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

"مسموع شد کہ آں شید سرخیل لوندان مقام کوہ ماران و تخت سلیمان بہ زبان نافصاحت جریان گفتہ کہ شعر فلانے اصلاح طلب است۔ دست بالائے دست بسیار است اگر این حرف را قدسی یا کلیم می گفت بجا بود تو شعر را کہ می فہمی

وفارسی راچہ می دانی - بہ جان سخن و بہ نزاکتِ معنی سوگند
دانہ لقسم لو تعلمون عظیم کہ دریں عصر کسے را نمی رسد
تاچنیں کلمہ در برابر نظم و نثر من گوید - تو خود در چہ شماری و
کو داخل قطاری - ایں قدر باید دانست کہ برنکتہ فہماں
گرفت و گیر بے جا نتواں کرد - پا بہ انداز گلیم دراز باید نمود -
پارۂ اشعار حافظ و صائب یاد گرفتن و بہمیں قدر خود را
نکتہ سنج و شعر فہم قرار دادن دور از شیوۂ عقل است و دلیل
بے شعوری بل خری و بے جوہری - کلامِ من نہ از تصانیف
حبہ خاتون و یوسف شاہ است کہ تو فہمِ آں توانی نمود - و نہ
از اشعار حافظ سلطان و فقیر واٹل است کہ تو غور مضامینِ
آں توانی فرمود - ایں زبانِ فارسی است از پارسی زبانان
باید شنید "

اِس عبارت کا آخری جملہ بتاتا ہے کہ فائز اپنے کو فارسی میں اہلِ زبان سمجھتے تھے ۔ وہ اصلاً تو ایرانی تھے ہی - ممکن ہے کہ اُن کے گھر میں اب تک فارسی بولی جاتی ہو - فائز کی خودپسندی کے ثبوت میں اُن کی ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے - وہ رقعات الصّدور کے مقدمے کے خاتمے پر لکھتے ہیں : ۔

"گلستا نیست بے خزان و بوستا نیست گل افشان
بہارش دائم و رنگ و بوے ریاحینش قائم ؎
عبارتش چو آبِ زندگانی درو پیدا جواہر از معانی
" دانند آنہا کہ ہمہ دان اند کہ ازیں قبیل نشآت

دیگر نیست - ایں مجموعۂ خوبیست بصورت حبوبیست ۔
ہم نکاتش نہ کار ہمگناں بل تحفہ ایست لائق بزم خرد سنداں"

فائز عربی زبان اور ادب پر بھی کافی عبور رکھتے تھے - وہ اپنے رسالوں میں حمد و نعت وغیرہ عربی میں لکھتے ہیں اور اپنی فارسی تحریروں میں عربی کے اشعار و اقوال وغیرہ بے تکلف لاتے ہیں اور بعض اوقات لمبی لمبی عبارتیں عربی میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ رقعات الصلاۃ کے مقدمے میں ایسی عبارتیں کئی جگہ موجود ہیں - اسی کتاب میں فائز کے کئی خط شامل ہیں جو عربی زبان میں لکھے گئے ہیں - وہ عربی میں نظم کرنے کی قدرت بھی رکھتے تھے - ان کے کلیات میں ملمعات کے عنوان سے اٹھائیس شعر ایسے موجود ہیں جن کا پہلا مصرع فارسی اور دوسرا عربی ہے - ان کے اردو دیوان میں ایک غزل ہے جس کے ہر شعر کا دوسرا مصرع عربی ہے - ان کی اردو مثنویوں میں بھی سات شعر اسی طرح کے ملتے ہیں اور ایک شعر پورا عربی میں ہے۔

عربی زبان کے علاوہ عربی علوم میں بھی فائز کو اچھا خاصا دخل تھا - وہ قرآن کی آیتیں پیش کرتے ہیں اور ان کے معنی و مطالب بیان کرنے میں اجتہادی شان دکھاتے ہیں - رسول کی حدیثیں راویوں کے حوالوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور اسلامی عقائد، فقہ اور تاریخ کے نزاعی مسئلوں پر عالمانہ بحثیں کرتے ہیں - انھوں نے امیرالامرا کے یہاں اہل علم کے مجمع میں مختلف مسائل پر جو مناظرے کیے اور اپنے حریفوں کو جن مدلل بحثوں سے لاجواب کر دیا ان پر نظر کرنے سے فائز کا یہ دعوا صحیح معلوم ہوتا ہے -

صدر اصحاب معنیم بہ جہاں | برتری حق خاندان من است
سر دشمن جدا کنم ز سخن | تیغ ہندی ہمیں زبان من است

مناظروں کے سلسلے میں فائز جن مصنفوں کے قول پیش کرتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کی مستند کتابیں ان کی نظر سے گزر چکی تھیں رسالۂ مناظرات[1] کے علاوہ اُن کے دوسرے رسالوں میں بھی علوم عربی کی بڑی بڑی کتابوں اور ان کے مصنفوں کے حوالے جگہ جگہ ملتے ہیں۔

ریاضیات کے مختلف شعبوں میں، خاص کر علم ہئیت میں فائز کو اچھی دست گاہ حاصل تھی۔ ایک دن وہ امیر الامرا کے یہاں گئے۔ وہاں اصحاب کہف کے متعلق یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان کے غار کا منہ فلاں جانب تھا اور اس میں دھوپ اس طرح پہنچتی تھی۔ فائز اس گفتگو میں شریک ہوئے اور حرکتِ افلاک پر عالمانہ بحث کی۔ رقعات الصدر میں کئی خط ایسے شامل ہیں جن میں فائز نے ریاضی اور ہئیت کے مختلف مسائل بیان کیے ہیں۔ ایک خط میں خصوص کواکب کی شرح کی ہے۔ ایک میں شہاب اور ذو ذنابہ کی حقیقت سمجھائی ہے۔ ایک میں روز اور نوروز کے معنی بتائے ہیں۔ ایک میں کسوف اور خسوف کے اسباب سے بحث کی ہے ایک میں کواکب کے رنگوں اور ان کے مزاجوں کا حال بیان کیا ہے۔ ایک خط میں اس سے بحث کی ہے کہ 'ایک' داخل عدد ہے یا نہیں اور ایک خط میں یہ بتایا ہے کہ اقلیم سات کیوں قرار دیے گئے اور ربع مسکون سے کیا مراد ہے۔ ان خطوں میں ریاضی اور ہئیت کی مستند عربی کتابوں کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ فائز کے یہ سب خط اُن خطوں کے جواب میں ہیں جن میں یہ مسائل اُن سے دریافت کیے

---
[1] رسالہ مناظرات۔

گئے تھے۔ ان خطوں کے مکتوب الیہ تو معلوم نہیں ہیں مگر اُن کے القاب بتاتے ہیں کہ وہ ذی علم اور بلند مرتبہ اشخاص تھے۔ اور اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ اہل علم کے حلقے میں فائز ریاضی اور ہیئت کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے علم نجوم میں ایک رسالہ نجم القدر اور علم حساب میں ایک رسالہ تحریر القدر لکھا ہے۔ اِن رسالوں کے دیباچوں میں لکھتے ہیں :-

"فقیر را از صغر سن میل بہ علوم عربیہ لبسیار بود۔ چنانچہ بقدر وسع در تحصیل آں خود را معاف نمی داشت۔" (نجم القدر)

"فقیر را شوق لبسیار بہ علم عدد بودہ و کسب این فن شریف در عنفوانِ شباب نمودہ۔" (تحریر القدر)

عروض، قافیہ، معنی، بیان اور بدیع میں فائز کو جو مہارت تھی وہ ان کے کلّیات کے خطبے سے ظاہر ہے جس میں انھوں نے اِن فنون کے اہم مسائل سے بحث کی ہے۔ وہ عربی صرف و نحو سے بھی خوب واقف تھے۔ اپنے زمانے کے نحویوں کی ناقابلیت کا ذکر وہ جس طنزیہ انداز میں کرتے ہیں وہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہوگا :-

"درپیش نحات این عصر کہ در مرتبہ کم از بز اخفش نیستند قواعد نحوی چنیں ثبت است کہ گویند غرض از نحو صیانت از خطاے لفظی است در کلام عرب، و مردم ہند محتاج بہ این علم نیستند زیراکہ در زبانِ ہندی غلط نمی کنند و با زبانِ عربی کار ندارند۔"

اسی طرح اپنے زمانے کے صرفیوں پر بھی طنز کی ہے اور اس سلسلے میں علم صرف کی اصطلاحوں کے تلازمے میں سلطنتِ وقت کی بدنظمیوں

کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"در پیشِ صرفیانِ ایں عصر کہ ہیچ یک کم از سیبویہ و زنجانی نیست ضوابط صرف ...... بدیں گونہ مبرہن و مبین است کہ گزیدۂ صحیح منصبے بود کہ جعلی باشد و غیر سالم طرق و شوارع است کہ از دست متمرّدان ایں عصر مخوف است و اجوف دہات و قریہ ہاست کہ بہ سبب تعدّیٔ حکام اہلِ آں فرار شدہ اند و خالیست و ناقص عہود و مواثیق است و لفیف اخبار دروغ است کہ ملفف بہ کذب است و مثنوی کار ملک است کہ اصلاح نمی یابد۔"

فائز کو طب، منطق، فلسفہ اور کلام میں کافی دخل تھا اور انھوں نے علم طب میں دو رسالے فوائد الصحت اور رسالۂ مالیخولیا کے نام سے لکھے ہیں۔ دوسرے رسالے کے دیباچے میں لکھتے ہیں: "در وقتِ تحصیل علوم رسالہ ہائے طب را مطالعہ نمودہ۔" وہ علمِ رمل اور علمِ قیافہ سے بھی واقف تھے۔ موخرالذکر موضوع پر اُن کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہدایت الصدر ہے۔ اُس کے دیباچے میں لکھا ہے۔ "در عنفوانِ شباب رسالۂ چند در علمِ قیافہ بہ مطالعہ در آمد۔" تاریخ سے فائز کو جو دلچسپی تھی اُس پر اُن کی کتاب ارشاد الوزرا شاہد ہے۔

فائز نے جو علوم حاصل کیے تھے ان کے مسائل اور اصطلاحات انھیں اس قدر مستحضر تھے کہ ان کی رعایت اور تلازمے کے ساتھ لمبی لمبی عبارتیں لکھتے چلے جاتے تھے۔ رقعات الصدر کے مقدمے میں انھوں نے زمانے کی برائیاں، علم کی کساد بازاری اور اہلِ علم کی نایابی وغیرہ کا بہت طولانی بیان رنگین عبارت میں اس طرح کے تلازموں کے ساتھ کیا ہے اور حاشیے پر یہ سرخیاں دی ہیں:۔ الکلام فی الحکم، الکلام فی الریاضی:

الکلام فی الہندسہ ، الکلام فی الحساب ، الکلام فی الطب ، الکلام فی النجوم
الکلام فی المنطق ، الکلام فی النحو ، الکلام فی الصرف ۔ یہ طولانی عبارت
بڑی تقطیع کے بیس صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے اور اپنے لکھنے والے کی
غیر معمولی علمی استعداد کی شہادت دے رہی ہے ۔ فائز نے اپنے بعض
خطبوں میں بھی مختلف علوم کا تلازمہ ملحوظ رکھا ہے ۔ ان کے جو خط موجود
ہیں اُن میں سے ایک صرف و نحو کی ، ایک منطق کی اور ایک ریاضی کی
اصطلاحوں میں لکھا گیا ہے ۔ انھوں نے رقعات الصّدر کے مقدمے
میں ایک مقام پر علم اور اہلِ علم کی ناقدری کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ مختلف علموں کے
بڑے بڑے عالموں کے نام گن گئے ہیں ۔ اِس مقام کی عبارت ذیل میں
نقل کی جاتی ہے :-

"گیرم کہ کسے در نسب علوی بود و در حسب فاطمی ، و در
قواعد فقہ علامہ حلیؔ و در فنون عربیہ زمخشری ، و در نحو سیرافی و در اخبار
ملیحہ اصمعی ، و در حکمت در مرتبہ لقمان ، و در زہد سلمان ، و در
فصاحت سحبان ، و ابن بابویہ در علم ادیان ، و شیخ الرئیس در علم ابدان ،
و عاصم در قرأتِ قرآن ، و در طب جالینوس ، و در نجوم بطلیموس ،
و در ریاضی مالاناوس ، و در ہیئت ثاو دوسیوس ، و در لغت
مثل صاحب قاموس ، و در صرف مثل زنجانی ، و در معانی و
بیان تفتازانی ، و مانند ابن مقلہ در معرفت اقلام ، و ابن سیرین
در تعبیر رویا و احلام و ابن عربی در قواعد صوفیہ ، و محقق شریف
در قوانین منطقیہ ، و مثل سکاکی در تسخیرات ، و مثل میر داماد
در فلکیات ، و مثل شیخ بہائی در فن اعداد ، و مثل محقق طوسی

در علم مبدا و معاد مثل افلاطون در علوم حکمیہ و مثل امام
رازی در فنون کلامیہ (تمیمتش؟) بیش تر از خود بہرہ نخواہد شد[1]

اس عبارت سے بھی فائز کی عام اور وسیع معلومات کا سراغ ملتا ہے۔

فائز کو کتابوں کے مطالعے جو شوق تھا اس کا ذکر انھیں کی زبان سے اوپر دو تین جگہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ایک خط میں کسی دوست کو لکھتے ہیں کہ "ہر شخص کو کوئی چیز پسند ہوتی ہے۔ مجھ کو کتابوں اور طالب علموں کی صحبت پسند ہے۔" فائز کے اس قول کی تصدیق ان کے عمل سے ہوتی ہے ان "طالب علموں" کی صحبت اس درجہ پسند تھی کہ امیر الامرا کے یہاں جن "طالب علموں" کا مجمع رہتا تھا وہ اکثر ایسی گفتگو چھیڑ دیتے تھے جس سے اُن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگتی تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ وقتاً فوقتاً وہاں جاتے ضرور تھے۔

ان کے شوق مطالعہ کے سلسلہ میں اُن کی اور امیر الامرا کی گفتگو نقل کی جاتی ہے جو امید ہے کہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ ایک مرتبہ امیر الامرا کے یہاں رویت باری تعالیٰ کے مسئلے پر بحث ہو رہی تھی۔ فائز بھی اس بحث میں شریک تھے۔ اُن کی فلسفیانہ گفتگو سن کر امیر الامرا نے ان سے کہا "کیا آپ حکمت کی کتابوں کا بہت مطالعہ کرتے ہیں؟" فائز نے جواب دیا "ان کے مطالعے کا شوق تو تھا لیکن اب طبیبوں نے مراق کی بیماری کے باعث مجھے حکمت کی کتابیں پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے اِدھر کچھ دنوں سے ان کا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔ لیکن پہلے جو کچھ پڑھا تھا اُس سے بھی پشیمان ہوں اس لیے کہ اگلے زمانے میں علم سے آدمی کی عزت ہوتی تھی اور اب اس کا الٹا ہوتا ہے۔"[1] (ترجمہ) معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب

---

[1] رسالہ مناظرات - مجلس ثالث۔

میں در پردہ امیر الامرا پر تعریض کی گئی ہے۔ اس لیے کہ فائز کی نظر میں اُن کی علمی حیثیت کچھ نہ تھی ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

"امیر الامرا خود علمے نداشت و خود را از متصوفہ واہل تحقیق میدانست . . . . . . حالانکہ از علم تصوف ہم خبرے نداشت[1]"

فائز نے اس طرح کی تعریض ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے۔ ایک مرتبہ امیر الامرا کے یہاں یہ ذکر نکلا کہ" خدا ہر شخص کو اس کی عقل کے موافق دولت دیتا ہے۔" فائز نے اس بات سے اختلاف کیا اور اثنائے بحث میں مثالاً کہا کہ" اگر ایسا ہوتا تو خان زمان سواتی جو بیل اور گدھے میں فرق نہ کر سکتا تھا ہفت ہزاری اور میر آتش نہ ہوتا۔ خدا کی دین کے لیے قابلیت شرط نہیں ہے بلکہ قابلیت کے لیے خدا کی دین شرط ہے" (ترجمہ) یہ لکھ کر فائز کہتے ہیں کہ "امیر الامرا میری بات سمجھ تو گئے مگر مسکرا کر ٹال گئے[2]" (ترجمہ)

فائز کا مذہب علوم دین سے فائز کو خاص شغف تھا۔ ان کی کئی تصنیفوں کا موضوع بھی مذہب ہی ہے۔ ان میں سے ایک کتاب میں پیغمبر عرب کے حالات لکھے گئے ہیں۔ تین رسالوں میں عقائد اور اُصولِ مذہب سے بحث کی گئی ہے۔ ایک رسالے میں امام عصر کے متعلق حدیثیں جمع کی گئی ہیں، ایک کتاب میں واقعاتِ کربلا بیان کیے گئے ہیں، ایک رسالے میں رویتِ باری کے مسئلے سے بحث کی گئی ہے اور ایک رسالے میں مذہبی مناظروں کی رُوداد بیان کی گئی ہے۔ فائز کی یہ تصنیفیں بتاتی ہیں کہ وہ مذہباً اثنا عشری شیعہ تھے اور مذہبیات میں اُن کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اُن کو حضرت علیؑ سے بڑی عقیدت تھی، جس کا کچھ اندازہ ذیل کے شعروں سے کیا جا سکتا ہے:۔

---

[1] رسالہ مناظرات۔ مجلسِ ثالث [2] رسالہ مناظرات مجلس ثانی

بغیر نامِ علی نیست نقشِ سینۂ ما　　پُر ام ز منقبتش چوں سفینۂ اشعار

تا چند یاد روے پری پیکراں کنم　　جز مدح بوتراب نباشد شعار من

جملہ صفات نبی غیر نبوت، ورا او　　بود علی ولی بندۂ خاص خدا

شاہم از بندگیٔ شیر خدا　　مہر و مہ چتر و سائبان من است

چوں غلام علی شدم فائز　　ہر چہ بینی ہمہ از آنِ من است

لطفِ حیدر بہ فائز مسکین　　بہتر از عمر جاوداں باشد

من سراپا جرم و عصیانم و لے از فضل حق
حامیٔ فائز بہ محشر لطف و مہرِ حیدر است

طریقِ عارفاں گر کردہ طی　　فدائی علی مرتضےٰ شو
ہواے نفسِ امّارہ زبون است　　چو فائز پیرو راہِ ہدیٰ شو

اپنی مثنوی نورس خیال میں حمدِ خدا اور نعت رسول کے بعد لکھتے ہیں :-

ہمچو او باید مرا اورا جانشین　　جانشین آسماں نبود زمین
غیر حیدر کی سزا وار است کس　　تا تواند گشت با او ہم نفس

زانکہ از یک نور شان خلقت شدہ | آں یکے جان و دگر صورت شدہ
مصطفیٰ و مرتضیٰ را یک شمار | نیستی احول دو بینی واگذار
اہل بینش ہر یکے در راہِ دین | رہ نما گردیدہ چوں شمع مبین
جزوِ ایمان است حبِ آلِ او | ہر کرا نبود بدا احوالِ او

فائز کے اُردو دیوان میں بھی حضرت علی کی مدح میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے "در مدح شاہ ولایت علیہ الصلوٰۃ والسلام"

فائز کی عمر فائز کی ولادت اور وفات کی تاریخیں معلوم نہیں اس لیے اُن کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اُن کے کلام سے بھی ان کے سِن کا حال نہیں کھلتا۔ ایک مثنوی میں انھوں نے جوانی کا گزر جانا، طبیعت کا افسردہ ہو جانا، دنیوی لذتوں سے کنارہ کشی کر لینا، اور موت کا ناگزیر ہونا بیان کیا ہے۔ اس مثنوی کے چند شعر یہ ہیں:-

آہ کہ ایامِ جوانی گزشت | موسمِ اقلیمِ ستانی گزشت
گشت دل افسردہ و خاطر ملول | جائے تواں کرد بہ کنجِ خمول
خنارۂ تفریح فراموش شد | آتشِ عشقم ہمہ خاموش شد
دل نکشد گاہ بسوئے شکار | از ہمہ خلق گرفتہ کنار
زمزمۂ مطرب آرد ملال | نیست خوش آیندہ چنیں قیل وقال
رقصِ وطرب گاہ نیاید بیاد | خواہشِ وحدت بدلم شد زیاد
نَے بہ طرف دل نکشد بہر سیر | نَے سوئے مسجد روم و نَے بہ دیر
ذوقِ کتاب است زخاطر بروں | در سرِ من ہست خیالِ جنوں
شمع دل غمزدہ پژمردہ شد | خاطرِ پُر عیشِ من افسردہ شد

ان شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ فائز بڑھاپے کی سرحد میں ضرور داخل

ہو گئے تھے - کلیات فائز کے خطبے کی ایک عبارت اوپر کہیں نقل کی جا چکی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فائز کا کلام زیادہ تر جوانی کے زمانے کا ہے اور اُس کی تصنیف کے پندرہ برس بعد مصنف نے اس پر نظرِ ثانی کی ہے۔ اب ہم کلیات کی ترتیب کے وقت فائز کی عمر اگر تیس پینتیس برس کی فرض کریں تو اس پر نظرِ ثانی کرتے وقت اُن کا سن پینتالیس پچاس برس کا قرار پائے گا اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ فائز نے بڑھاپے کی ابتدائی منزلوں کی سیر ضرور کی تھی، مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ کس عمر تک زندہ رہے۔

فائز کی اولاد

فائز کی اولاد کا کوئی تفصیلی حال تو معلوم نہیں۔ مگر رقعات شیخ علی حزیں میں اُس کے مولف نے چار خط اس سُرخی کے تحت میں درج کیے ہیں " رقعات کہ بہ میرزا حسن علی خاں الملخاطب بہ اشرف الدّولہ بہادر خلف نواب صدرالدین محمد خان نگاشتہ اند" اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فائز کے ایک بیٹے میرزا حسن علی خاں تھے جن کا خطاب اشرف الدولہ بہادر تھا۔ فائز کے فارسی دیوان میں دو قطعے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اُن کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا مگر پیدا ہوتے ہی مر گیا۔"

ایک قطعہ میں گیارہ اور دوسرے میں سترہ شعر ہیں۔ ان دونوں قطعوں کے تھوڑے تھوڑے شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

بعد عمر از تولّد پسرے — جوش شادی رسید تا افلاک
در نفس چوں حباب آمد و رفت — بہ دمے شد چو طفل اشک ہلاک
این مسافر شبے قیام نہ کرد — آمد و شد رواں بہ عالم خاک
دایۂ مرگ برد در بغلش — ہمچو گنجش گذاشت ورنہ خاک

ایزدم داد بعد عمر پسر		شد چو موجود آں بدل پیوند
طرب افزود در دلم ناگاہ		شدم از مقدمش بسے خرسند
جمع گشتند در نفس مردم		شد تحیت ز چار سوے بلند
روے امید چوں بدنیا کرد		نظرے جانب زمانہ فگند
چشم وا کرد و دید طور فلک		دیدہ را کرد و بار دیگر بند

فائز کے ضخیم کلیات اور ان کے متعدد رسائل کا حرف حرف کئی کئی دفعہ بڑے غور سے پڑھنے اور تذکروں اور تاریخوں کی ورق گردانی کرنے سے کچھ منتشر کڑیاں ملیں۔ ان کو مناسب ترتیب سے جوڑ کر ایک فی الجملہ مسلسل بیان پیش کر دیا گیا۔ اردو کے اس قدیم شاعر کے متعلق سردست ہماری معلومات کا کل سرمایہ اتنا ہی ہے۔

فائز کی شاعری

فائز کی شاعری کے محرکات

فائز نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ ان کے فارسی کلام کی مقدار اردو سے کہیں زیادہ ہے اور دونوں زبانوں میں مثنویوں کی مقدار غزلوں سے زیادہ ہے۔ شعر کی اور صنفیں بھی ان کے کلیات میں موجود ہیں مگر وہ مقدار میں بہت کم ہیں۔ ان سب صنفوں کے نام اور ان کے شعروں کی تعداد اوپر لکھی جا چکی ہے۔ ان کی مثنویاں بالعموم چھوٹی چھوٹی اور تعداد میں بہت ہیں۔ اس لیے ان کے موضوعوں

کا شمار طوالت کا باعث ہوگا۔ مختصراً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ زیادہ تر خارجی چیزوں سے متعلق اور بیانیہ شاعری میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ مقدار کے لحاظ سے مثنویوں کے بعد غزلوں کا نمبر ہے۔ فائز نے اپنی غزل گوئی کے محرکات خود بتائے ہیں۔ وہ انھیں کی زبان سے سنیئے۔

(۱) "در عنفوانِ شباب مدتے در مزاج وشوخیے در طبیعت بہ مرتبۂ تمام بود۔ معہذا اگر فتاریٔ دل وتعلق بہ خوبان طاقت گسل علاوہ آں گردیدہ۔ اکثر در وصفِ حسنِ خوباں شورسے وغزلے طرح می شد۔ رفتہ رفتہ مجموعۂ گردید۔" (خطبۂ کلیات)

(۲) "چوں اکثر مطالعۂ کتبِ استاداں می نمود زمینے کہ خوش می آمد۔ دراں فکرِ نظم می نمود۔ بعد مدتے بہ ترغیب یکے از رفقا بہ ترتیب آں متفرقات متوجہ شدہ دیوان مرتب ساخت۔" (خطبۂ کلیات)

ان اقتباسوں میں سے پہلا اُن تمام نظموں سے تعلق رکھتا ہے جن کا موضوع حسن و عشق ہے۔ خواہ وہ غزلیں ہوں، خواہ مثنویاں ہوں، خواہ کسی دوسری صنف کی نظمیں ہوں۔ دوسرا اقتباس غزل سے خاص طور پر متعلق ہے۔ مگر دوسری اصنافِ سخن پر بھی صادق آتا ہے۔ ان اقتباسوں سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فائز نہ مشاعروں کی طرحوں میں غزلیں کہتے تھے نہ مشاعروں میں اپنا کلام سناتے تھے، اسی کے ساتھ وہ اتنے بڑے شاعر بھی نہ تھے کہ خود گھر میں بیٹھے رہتے اور کلام ان کا شہرت کے پروں سے اُڑتا پھرتا۔ غالباً یہی وجوہ ہیں کہ وہ شاعر کی حیثیت سے غیر معروف رہے اور شعرا کے تذکرے اُن کے ذکر سے خالی رہے۔

فائز اور قصیدہ گوئی

فائز نے قصیدہ گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ اُن کی خودداری معمولی انسانوں کی مداحی کو، خواہ وہ کسی درجے کے ہوں جائز نہ رکھتی تھی اور صلے کی امید پر شعر کہنے کو وہ ایک طرح کی گدائی سمجھتے تھے۔ اُن کے فارسی دیوان میں اٹھارہ چھوٹے چھوٹے قصیدے ہیں۔ اُن میں سے ایک

خدا کی حمد میں، تین رسول کی نعت میں، اور چودہ حضرت علی کی منقبت میں ہیں زیادہ تر قصیدوں میں صرف آخر کے پانچ سات بلکہ دو چار شعر مدح، مناجات یا دعا کے ہیں۔ باقی کل شعر تشبیب کے ہیں۔ فائز نے اپنے کلیات کے خطبے میں ایک جگہ قصیدہ گوئی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

"میں نے لوگوں کی مدح نہیں کی کہ اس سے گدائی کی بُو آتی ہے۔ قدما اس معاملے میں مجبور تھے۔ اس لیے کہ بادشاہوں کی فرمایش سے شعر کہتے تھے یا اُن کی مدح میں تاکہ تقرب کا ذریعہ ہاتھ آئے۔ میں اِن دونوں باتوں سے بری ہوں، کہ اپنی نشانی چھوڑ جانے کے سوا کوئی غرض اور مطلب نہیں ہے۔ بادشاہِ حقیقی کے سوا کوئی مدح کے قابل نہیں ہے۔ یا ائمہ ہدا کی مدح کرنا چاہیے کہ موجبِ ثواب اور کارِ خیر ہے۔ دنیوی اغراض کے لیے اپنے مثل کو سراہنا عقل کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔ ہاں حسینوں کی تعریف کرنا اور ان کے خط و خال کے وصف میں مبالغہ کرنا تیزیِ طبع کا باعث اور اہلِ دل کے نزدیک جائز ہے۔" (ترجمہ)

اسی خطبے میں ایک دوسرے مقام پر فائز نے قصیدہ گویوں کو حسبِ ذیل ہدایتیں کی ہیں:۔

"فقیر کے اعتقاد میں لوگوں کی مدح کرنا دراصل مذموم ہے۔ تاہم اگر شاعر مدح گوئی شروع کرے تو اِن چند باتوں کا لحاظ رکھے۔ اول یہ کہ ممدوح کے قابل مدح کرے۔

مثلاً بادشاہوں کو خواجہ ، بہتر یا کسی ایسے صفت یاد نہ کرے جو ان کے مرتبے سے پست ہو اور امیر کو ملک یا سلطان نہ کہے ۔ علما کی مدح علم و فضل و ورع کے ساتھ کرے نہ کہ شہامت اور شجاعت کے ساتھ۔ برخلاف اہلِ شمشیر کے کہ اُن کی تعریف تسلط ، غلبہ اور شہامت کے ساتھ کرنا بہتر ہے۔ مردوں کی مدح میں حسن و جمال کا ذکر نہ کرے ، مگر کمالاتِ نفسانی کے ضمن میں مثلاً کہے کہ حسنِ صورت اور نیکی سیرت دونوں رکھتا ہے . . . .
قدیم شاعر خلفا اور ملوک کی مدح میں سخاوت اور شجاعت کا ذکر کچھ بہت پسند نہیں کرتے تھے ۔ اگرچہ اس کا رواج ہے کیوں کہ بادشاہوں کے لیے سخاوت ناگزیر ہے، ایک عالم اُن سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اور شجاعت اُن کے لشکر کے لیے لازم ہے ۔ پس اُن کی سب سے بہتر خوبیاں ہیں انصاف اور ورع اور کمالاتِ نفسانی اور اُن کے خوف اور سیاست کے باعث فتنوں کا دفعیہ اور ملکوں کی آبادی کوئی ایسی چیز جس کا محدث پر الزام یا اتہام ہو کہی نہ لائی جائے ۔ نہ صراحتہً نہ کنایتہً ۔ عورتوں کی مدح میں حسن سخاوت اور خلق کی تعریف نہ کی جائے بلکہ عفت و عصمت کی تعریف اولا ہے۔ قصیدے کی ابتدا مبارک اور مسعود لفظوں سے آراستہ ہونا چاہیے اور منحوس اور نفی کے لفظوں مثلاً نیست ، نباشد ، نبود سے دور ، کیوں کہ یہ بدشگونی ہے۔

جو مدح سب سے زیادہ زبردست ہو اُس کو آخر میں لانا چاہیے
اور کوشش کرنا چاہیے کہ قصیدے کا آخری حصہ نہایت مطبوع
اور شاعر کی غرض پر مشتمل ہو اور اس کے لفظ فصیح اور معنی
بدیع ہوں۔ کیوں کہ وہ سننے والے کی سماعت سے
قریب العہد ہوتا ہے۔ وہ اُس سے مدت تک لطف اٹھاتا
ہے اور اُس کو بھولتا نہیں۔ اُن لفظوں سے بچنا چاہیے
جو مدح اور ذم میں مشترک ہیں جیسے لفظ سوز کہ خوشی
اور غم دونوں کے لیے آیا ہے"۔ (ترجمہ)

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے فائز نے صرف مذہبی پیشواؤں کی مدح میں چند چھوٹے چھوٹے قصیدے کہے ہیں۔ دنیا داروں کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں کہا ہے۔ اس لیے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ دوسرے قصیدہ گویوں کو اُنھوں نے جو ہدایتیں کی ہیں اُن پر وہ خود کس حد تک عمل کر سکے۔ مگر اِن ہدایتوں سے اتنا فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے کہ قصیدے کے متعلق فائز کا معیارِ تنقید معلوم ہو جاتا ہے۔

فائز کی صداقت پسندی

فائز سچے آدمی تھے اور سچائی کے دل دادہ۔ وہ شاعری میں بھی جھوٹ کو جائز نہ رکھتے تھے۔ گویا وہ عرب کے اُس شاعر کے ہم نوا تھے جس کا یہ قول مشہور ہے کہ سب سے اچھا شعر وہ ہے جس کو سن کر لوگ کہیں کہ سچ کہا۔ وہ اپنے کلیات کے خطبے میں کہتے ہیں :-

"مجھ کو باکمال شاعروں پر تعجب ہوتا ہے کہ جھوٹی کہانیاں
اور غلط باتیں کیوں نظم کرتے ہیں"۔ (ترجمہ)

ذرا آگے بڑھ کر پھر کہتے ہیں :-

"عقل مند آدمی کو کیا ضرورت ہے کہ جھوٹی باتیں نظم کرنے میں اوقات صرف کر کے اپنے کلام کو عاقلوں کی نظر میں بے قدر کرے اور جاہلوں کو گمراہی میں مبتلا کرے، کیوں کہ وہ اِن باتوں کو سچ سمجھ لیتے ہیں۔ اگر خدا کسی کو موزوں طبیعت عطا کرے تو وہ سچی باتیں اور سچی حکایتیں کیوں نہ نظم کرے کہ جھوٹی باتوں میں مشغول ہو کر اپنے کلام کو بے رتبہ بنا دے" (ترجمہ)

اس سلسلے میں فردوسی، نظامی، اور جامی کے کذب، بہتان اور مبالغے کی مثالیں دینے کے بعد فائز کہتے ہیں کہ شاہ نامہ، سکندر نامہ، لیلیٰ مجنوں، خسرو شیریں، نل دمن، وغیرہ میں اگر ایک سچ ہے تو دس جھوٹ ہیں۔ اپنے اصول کے مطابق فائز اپنی شاعری میں جھوٹ سے بچتے ہیں۔ حد سے گزرے ہوئے مبالغے سے کام نہیں لیتے۔ لفظوں کی مناسبت پر کلام کی بنیاد نہیں رکھتے اور خیالی مضامین کے طلسمی گل دستے نہیں بناتے۔ وہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھتے ہیں، کانوں سے سنتے ہیں، اور دل سے محسوس کرتے ہیں اُسی کو اپنی شاعری کا موضوع قرار دیتے ہیں۔

فائز کے کلام میں بے ساختگی

فائز کے کلام میں غور و فکر کے آثار نہیں پائے جاتے ہیں۔ وہ مضمون کی تلاش میں کوئی خاص کوشش کرتے ہیں نہ لفظوں کے انتخاب میں غیر معمولی کاوش۔ سیدھی سیدھی باتیں سیدھے سادے لفظوں میں کہتے چلے جاتے ہیں۔ اُن کی سچی اور سادہ طبیعت ...

کی اس خصوصیت کا خود اعتراف کرلیا ہو اور کلیات کے خطبے میں انھوں نے صاف صاف کہہ دیا ہو کہ میں نے دوسرے شاعروں کی طرح مضمون کے لیے کوشش اور فکر کبھی نہیں کی ۔ شوق کے غلبے میں جو کچھ دل میں آیا بے توقف لکھ دیا چناں چہ ایک ایک دن میں سوا سوا سو شعر اور طبیعت حاضر ہوئی تو اس سے بھی زیادہ کہہ ڈالے ۔ اُن کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

" ایں ہیچ مداں ہرگز بہ دستور شعرائے دیگر سعی و فکر برائے مضمون نکرد ۔ در غلبات شوق انچہ بہ خاطر رسید بے توقف تحریر نمود چناں چہ اکثر در روزے صد دبیت و زیادہ ازآن کہ دماغ چاق می بود گفتہ می شد "

فائز نے اپنے کلام کی بے ساختگی کا ذکر ایک شعر میں بھی کیا ہو اور اس طرح کیا ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ اس کو کلام کی ایک پسندیدہ صفت سمجھتے تھے ۔ وہ شعر یہ ہو :-

فائز چہ خوش آیند سخنہائے تو مارا ۔۔۔ بے ساختہ باشد غزل و شعر تو نکیسر

فائز کی سادگی پسندی کا اظہار اُن کے اس شعر سے بھی ہوتا ہو :-

حسن بے ساختہ بھاتا ہو مجھے ۔۔۔ سرمہ انکھیاں میں لگایا نہ کرو

فائز اور شعر کے محاسن

فائز اپنے کلیات کے خطبے میں مختلف اصنافِ سخن کا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

" تمام اقسامِ شعر میں چاہیے کہ نظم بدیع ہو قافیے درست ہوں ، معنی لطیف ہوں ، الفاظ شیریں ہوں ، عبارت صاف ہو "

یعنی اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہو، بیان میں تکلف نہ ہو۔ حروفِ زائد سے پاک ہو اور الفاظ صحیح ہوں۔ شاعر کے لیے لازم ہے کہ نظم کے طور و ترکیب کو پہچانتا ہو۔ تشبیہ کے قاعدوں، استعارے کی قسموں اور زبان کے محاوروں سے واقف ہو، قدما کی تاریخ اور نظم سے باخبر ہو اور حکما کے کلام کا تتبع کرے اور اپنی طبعِ سلیم سے جزیل اور رکیک لفظوں میں امتیاز کرے اور چھوٹی تشبیہوں مجہول اشاروں، ناپسندیدہ ایہاموں، غریب وصفوں، بعید استعاروں، نادرست محاوروں اور نامطبوع تکلفوں سے پرہیز کرے۔" (ترجمہ)

شاعروں کے لیے فائز نے جو ہدایتیں کی ہیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی پوری توجہ صرف صحتِ زبان اور حسنِ بیان کی طرف ہے، نفسِ شاعری کی طرف بالکل نہیں ہے اور ایک انھیں پر کیا منحصر ہے اُن کے زمانے کا حال یہی تھا کہ جو کلام معنی و بیان، بلاغت، بدیع، صرف، نحو، عروض، قافیہ کے قاعدوں کے زیادہ مطابق ہوتا اسی قدر اچھا سمجھا جاتا تھا۔ شاعری کی حقیقت اور اس کے موضوع و مقصد کے متعلق واضح تصورات لوگوں کے ذہن میں نہ تھے۔ یہ چیزیں ذوقی اور وجدانی سمجھی جاتی تھیں جن کا اظہار لفظوں میں ناممکن تھا۔ اس زمانے کے حالات کے مطابق فائز کے پیشِ نظر بھی شعر کا کوئی بلند معیار نہیں ہے۔ نہ اُن کے سامنے شاعری کا کوئی مقصد ہے، جو ہدایتیں انھوں نے دوسرے شاعروں کو کی ہیں اُن پر اپنی استعداد کے موافق کاربند ہونے کی

خود بھی کوشش کی ہے۔

فائز کے فارسی کلام کا نمونہ

فائز کے فارسی کلام کا کچھ اندازہ ذیل کے نمونوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کی مثنویوں کے کئی اقتباس اوپر جا بجا نقل کیے جا چکے ہیں۔ اس لیے یہاں غزلوں کے شعر پیش کیے جاتے ہیں :-

به رہ عشق تا قدم زده ایم — پشت پاے به ملک جم زده ایم
ہر دم از نالهٔ جہاں آشوب — در صف عاشقاں علم زده ایم
محو یاریم و آرزوئے نیست — بر خط مدعا قلم زده ایم
سخن ماست جمله درد آلود — فائز از جوش عشق دم زده ایم

ز دل خراب عاشق چه غم اے نگار داری — تو که دل بکس ندادی به غمے چه کار داری
نه به خانه ئی نه به گلشن نه سر رہت بیابم — چو دل رمیدهٔ من تو کجا قرار داری
دلم از روز بدن تو چو گل چمن شگفته — مگر اے نسیم گلشن خبرے ز یار داری

با خمارین نگہے من سر و کارے دارم — خار در سینه ز مژگان نگارے دارم
روزگاریست بحیرت سر و کارے دارم — ہم چو آئینه نظر بر رخ یارے دارم
گر تو با پیر مغاں زده ئی رطل گراں — من ہم از بادهٔ چشم تو خمارے دارم

گرچه در بزم تو گفتند ز ہر جا سخنے — کاش میگفت کسے ہم ز دل ما سخنے
روے دل با دگرے داشتی و چشم بما — زاں که با خود سخنے گفتی و با ما سخنے

ہر لحظہ ام بہ فکر تو سودائے دیگر است — من جائے دیگر و دلِ من جائے دیگر است
غنچہ حیران ز دہانت کہ تبسم نیست — طوطی از حرفِ تو خاموش کہ تکلم نیست

دوش دیدم کہ بہ گلشن نوخرامے داری — دم بہ دم با گل و شبنم مے و جامے داری

در گلستاں تا در سنگے کردہ — ہر نفس گل را بہ رنگے کردہ

من کہ در سینہ دل از آتشِ غم سوختہ ام — در شبستانِ تو شمع دگر افروختہ ام

یار را شمعِ انجمن دیدم — صرفۂ خویش سوختن دیدم

شرمندہ شد ز عارضِ تو لالہ زار ہا — حیران بہ بیں گل اند بہ عالم بہار ہا

نو بہار آمد گل پیدا بہ ہر ویرانہ است — نکہتِ گل در مشامِ مستاں چوں شرابِ احمر است

نورِ شمع و رنگِ گل چوں در رُخِ جانانہ است
عاشقِ بیچارہ گر بلبل گہے پروانہ است

ہست آبادی آئینہ ز عکسِ رخِ تو — جز خیالت کہ دہد نو بہ ویرانۂ ما

دل و شکیبِ نعتِ تو نہ سیتہ کند یاد — باشد غریب شام غریباں یاد وطن ؟

ہر کسے در گوشۂ اندر خیالے سرخوش است ‏ ‏ ‏ بلبل اندر گلستاں خوش چغد در ویرانہ ہا

سر بہ اوجِ فلک از بسکہ بہار تو کشید ‏ ‏ ‏ گلِ خورشید سزد گوشۂ دستارِ ترا

اقلیم جنون را نبود آفت و دانم ‏ ‏ ‏ در مملکتِ عشق ز خوباں خطرے ہست
ملک دل سر بسر از فیض سخن آباد است ‏ ‏ ‏ زاں کہ در کشورِ معنی غم ویرانی نیست
خیرہ بر روے تو نظر نہ کنم ‏ ‏ ‏ بر سرت ہست چہرۂ زر تار
مزن ایں ناوکِ مژگاں بہ سوے سینۂ ما ‏ ‏ ‏ کہ ترا ور دلِ دیوانۂ ما جا باشد

اب فائز کی چند رباعیاں ملاحظہ ہوں :۔

از عشق تو سوختیم با خرمنِ خویش ‏ ‏ ‏ چوں شعلہ زدیم دست بر دامنِ خویش
ماںنجہ ز طبعِ نکتہ فہم خویشم ‏ ‏ ‏ چوں ما نبود ہیچ کسے دشمنِ خویش

یک چند بہ عقل و ہوش مقروں گشتم ‏ ‏ ‏ یک چند چو خم نشینِ فلاطوں گشتم
دیدم چو نشد ہیچ ازاں حاصلِ من ‏ ‏ ‏ از خویش بروں رفتم و مجنوں گشتم

با صلح درآویز و در جنگ مزن ‏ ‏ ‏ بر دامن ایں و آں عبث چنگ مزن
خواہی نہ شوی شکستہ دل اندر دہر ‏ ‏ ‏ بر شیشۂ خاطر کسے سنگ مزن

فائز کا اُردو کلام

فائز کی تصنیفوں کے سلسلے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ان کا اُردو دیوان کن اصناف سخن پر مشتمل ہے اور اُن کے اُردو کلام کی مقدار کیا ہے۔ فائز کی شاعری پر ایک مختصر عمومی تبصرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ اب اُن کے اُردو کلام پر زرا گہری نظر ڈالی جائے گی اور اُن کی شاعری کی خصوصیتیں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں گی۔

فائز کی غزلیں فائز کی غزلوں کا عام موضوع ظاہری حسن ہے یا مجازی محبت۔ خدائی محبت کا تو شاید کہیں ذکر ہی نہیں، انسانی محبت کا تصور بھی کچھ بلند نہیں ہے۔ اُن کے یہاں جس محبت کا بیان ملتا ہے وہ وہی ہے جسے ہوس یا حسن پرستی کہہ سکتے ہیں۔ عشق کے نام سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ شاید دو ہی چار شعر ہوں گے جو عشق کے اعلیٰ تصور پر مبنی ہوں۔ مثلاً

خاک سیتی سجن اٹھا کے کیا　　　عشق تیرے نے سربلند مجھے

اسی طرح فائز کی غزلوں میں دو چار شعر ایسے بھی مل سکتے ہیں۔ جن میں حسن و محبت کے علاوہ کوئی اور مضمون باندھا گیا ہو۔ مثلاً

جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کو غم نہیں　　　حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں
ظاہر کے دوست آتے نہیں کام وقت پر　　　تلوار کاٹ کیا کرے جس کو جو دم نہیں

محبوب کی توصیف اور محبت کے اظہار میں وہ محبوب سے براہِ راست خطاب کرتے ہیں۔ بعد کے شاعروں نے غزل میں معشوق کا ذکر اکثر ضمیرِ غائب

کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن فائز کی غزل "سخن از معشوق گفتن" کا نہیں بلکہ "سخن بہ معشوق گفتن" کا مصداق ہے۔

شمالی ہند میں اردو غزل گوئی کا ابتدائی دور ایہام گوئی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن فائز کو ایہام گوئی کا شوق نہ تھا۔ وہ اپنے کلام کی بنیاد بالعموم دوہرے معنوں کے لفظوں اور فقروں پر نہیں رکھتے ہیں۔ تاہم کبھی کبھی صنعتِ ایہام سے کام لیتے ہیں۔ ان کی زبان میں وہ سادگی، نرمی اور لوچ ہے جو غزل کے لیے ضروری ہے۔ وہ اپنا مطلب تمثیل کے پیرائے میں یا استعارے کے پردے میں بیان نہیں کرتے۔ جو کچھ کہنا ہوتا ہے سیدھے سادے بے تکلف انداز میں کہہ دیتے ہیں مگر اسلوبِ بیان کچھ ایسا اختیار کرتے ہیں کہ ان کی سادی سادی باتیں بھی لطف اور اثر سے خالی نہیں ہوتیں۔ آزاد مغفور دہلی کے دورِ اوّل کے اردو شاعروں کے متعلق لکھتے ہیں:-

> "ان بزرگوں کے کلام میں تکلف نہیں۔ جو کچھ سامنے آنکھوں کے دیکھتے ہیں اور اس سے دل میں جو خیالات گزرتے ہیں وہی زبان سے کہہ دیتے ہیں۔ ایچ پیچ کے خیال، دور دور کی تشبیہیں، نازک استعارے نہیں بولتے۔ اس واسطے اشعار بھی صاف اور بے تکلف ہیں۔۔۔۔۔
> اس میں شک نہیں کہ ان کے محاورات قدیمی اور مضمون بھی اکثر سبک اور مبتذل ہوں گے۔ مگر کلام کی سادگی اور بے تکلفی ایسی دل کو بھلی لگتی ہے جیسے ایک حسنِ خداداد ہو کہ اس کی قدرتی خوبی ہزار بناؤ سنگار کا کام کر رہی ہے۔
> (آبِ حیات)

آزاد کا یہ بیان فائز کے کلام پر حرف بہ حرف صادق آتا ہے۔ مثال کے لیے ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

تری گالی مجھ دل کوں پیاری لگے — دعا میری تجھ من میں بھاری لگے
تری قدر عاشق کی بوجھے سجن — کسی سانتھ اگر تجھ کوں یاری لگے
بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند — پلک تیری جیسے کٹاری لگے
نہ جانوں تو ساقی تھا کس بزم کا — نیناں تیرے مجھ کوں خماری لگے

وہی قدر فائز کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

چند متفرق شعر اور سنیے :-

جب سجیلے خرام کرتے ہیں — ہر طرف قتل عام کرتے ہیں
مرغ دل کا شکار کرنے کوں — زلف و کاکل کو دام کرتے ہیں

گیا باغ جنوں تو رسوائی — [illegible] عشق خواری ہے
[illegible] — [illegible] ری ہے
لیلیٰ مجنوں کا ذکر ہوا — اب تمھاری ہماری باری ہے

یار میرا میاں گلشن ہے — [illegible] تا بہ دامن ہے

دور اول کے اور شاعروں کی طرح [illegible] میں بھی درد و الم، سوز و گداز، رندی و مستی، جوش [illegible] محبوب کی اداؤں کے بیان اور عاشق کی محبت کے اظہار [illegible] کے کلام میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ [illegible]

ترچھی نگاہ کرنا کترا کے بات سننا　　مجلس میں عاشقوں کی انداز ہی سراپا

بعض لوگ غلط فہمی سے اُردو غزل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں معشوق مذکر ہوتا ہی - لیکن فائزؔ کے یہاں معشوق کی نسوانیت بالکل ظاہر ہی - وہ اس کو کبھی کبھی نارؔ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں جس کے معنی ہیں عورت اور اس کی ساری اوڑھنی وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں - مثلاً

سورج کا جلانے کوں جگر جیوں دلِ فائزؔ
اِی نار تو کیوں دھوپ میں سر کھول کھڑی ہی

تجھ بدن پر جو لال ساری ہی　　عقل اس نے مری بساری ہی

اوڑھنی اودی پر کناری زرد　　گرد شب کے سورج کی دھاری ہی

مگر کبھی کبھی وہ مردانہ حسن کا بیان بھی کرتے ہیں اور اِس سلسلے میں قبا اور چیرہ یعنی پگڑی کا ذکر کرتے ہیں - مثلاً

کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ سالو　　کیا زیب دیوے لیمہ تری سبز قبا پر

کرناں کا بنا ہی نور رخ سوں　　چیرہ ہی جو سر پہ تجھ زری کا

فائزؔ کی غزلوں کے اس مختصر مجموعے میں کئی غزلیں ایسی ہیں جن کا موضوع شروع سے آخر تک ایک ہی یعنی وہ غزل کی شکل میں مسلسل نظمیں ہیں وہ غزلیں یہاں نقل کی جاتی ہیں اور ہر غزل کا عنوان تجویز کرکے اس پر درج کیا جاتا ہی :-

---

ایامِ محبت کی یاد

جان ایام دل بری ہے یاد　　سیرِ گل زار و مے خوری ہے یاد

دیکھتا نہیں سورج کوں نظراں بھر　　جس کوں تجھ جامۂ زری ہے یاد

خوب پھولی تھی باغ میں نرگس　　گلِ صد برگ و جعفری ہے یاد

وہ چراغاں وہ چاندنی کی رات　　سیر بہت پھول پھلجھڑی ہے یاد

وہ تماشا و کھیل ہولی کا　　سب کے تن رخت کیسری ہے یاد

ہو دیوانہ جنگل میں کیوں نہ پھرے　　جس کو وہ سایۂ پری ہے یاد

اے سیہ مست! میری انکھیوں کے　　لال بادل کی جھمجھری ہے یاد؟

جب تمن پاس قائم آیا تھا　　بات کہنا پی سے سری ہے یاد

جذبۂ بے باک

منھ پھول سو نگین نقش دساری تھی اس پری

اِترائی ایک سکھی میں پنگھٹ میں جیوں پری

چیری ہیں اُس کی ارسبتی رنبھا و رادھکا

پربھو نے دیکھا بنائی نہیں ویسی دوسری

میں نے کہا کہ گھر چلے گی میرے ساتھ آت

کہنے لگی کہ ہم سوں نہ کر بات تو بُری

جھٹک جیو کے اُس کی باتھ کو پکڑا میں باتھیوں

کہ نچھی جاوتی ہو رے کرتا ہے مسخری

چوما لیا اُدھر پر آ سے جب لگا کے گل
کہنے لگی مغل کی یہی ریت ہو بُری
کم دیکھی فائزؔ ایسی حسن بیں میں ہندنی
بیتیں برکھ برکھ زغنم او گھری گھری

قیدِ اُلفت

زلف تیری ہوئی کمند مجھے
اُس بیں باندھا ہی بند بند مجھے
خاک سیتی سجن اٹھا کے رکیا
عشق تیرے نے سر بلند مجھے
نہیں جگ بیچ اور اُ دل بر
وصل بن تیرے سود مند مجھے
میں گرفتار ہوں ترے مکھ پر
جگ میں نہیں اور کچھ پسند مجھے
فائزؔ اس طور سے ہوا ہی ملول
توں جلاتا ہی جیوں سپند مجھے

عالمِ فراق

مجھ پاس کبھی وو قدِ شمشاد نہ آیا
اس گھر منے وو دل برِ استاد نہ آیا
گلشن مری انکھیاں میں لگے گلخن دوزخ
جو سیر کو مجھ ساتھ پری زاد نہ آیا
سانجھ آئی دیو دن بی ہوا فکر میں آخر
وو دلبرِ جادو گر صیاد نہ آیا
آیا نہ ہمن پاس کیا وعدہ خلافی
فائزؔ کا کچھ احوال نگر یاد نہ آیا

اوصافِ محبوب

خوباں کے بیچ جاناں ممتاز ہی سراپا
انداز دل بری میں اعجاز ہی سراپا

پل پل سنک سے دیکھے ڈگ ڈگ چلے لٹک کر　　وہ شوخ چنچل چھبیلا لٹکتا نہ ہو سراپا
ترچھی نگاہ کرنا، کترا کے بات سننا　　مجلس میں عاشقوں کی انداز ہو سراپا
نینوں میں اس کی جادو، زلفاں میں اس کی پھاندا　　دل کے شکاریں وہ شہباز ہو سراپا
غمزہ، نگہ، تغافل، انکھیاں سیاہ چنچل　　یارب نظر نہ لاگے انداز ہو سراپا

فائز کے کلام میں مقامی رنگ

اُردو شاعری پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہو کہ وہ مقامی رنگ سے خالی ہو۔ مگر فائز کا کلام اس اعتراض کی رُو سے دُور ہو۔ وہ تشبیہوں، استعاروں اور تلمیحوں میں خاص ہندوستانی چیزوں سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً پلک کو کٹاری سے؛ نرم، نازک، گول بانہوں کو کنول کی ڈنڈی اور کیلے کے گابھے سے؛ بڑی بڑی آنکھوں کو کنول کے پھول سے؛ سوتواں ناک کو چمپے کی کلی سے؛ دل کش رفتار کو مور اور مست ہاتھی کی چال سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ان تشبیہوں کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند　　پلک تیری جیسو کٹاری لگے

کنک سوں صفا نازک ہو وہ بدن　　کنول ڈال ست ہاتھ گل ست چرن

کیلے کے گابھے ست ملائم وو بات　　دیکھ کے مرجھاتے تھے کیلے کے پات

دو اُدھر تیرے ہیں جیوں امرت پھل　　شیرینی میں ہو نگ شان عسل

رنگ سوں ہیں پیرہن سب گل ستے لال　　نین ہیں نرگیس کنول سے اُنکلال

نین دو کنول اور دو گل ہیں گال — گل چمپے کی ناک کو ہے مثال

ترچھی نظروں سے دیکھنا نین ہیں — مورسے چال تجھ نیاری ہے

سنتے اچھی سی چاپ تھی زجوبن — نہ آہٹ پاتے گز بجتی نہ ہیچن

ہماری شاعری کے اتباع میں وہ معشوق کا استعارہ چاند سے اور عاشق کا چکور سے کرتے ہیں :-

ان چکوروں سے دور رہ ای چاند — قول عشاق کا نسازی ہے

ملتے ہو سب کو جاکے گھر اور ہم سے ہو کنار — کچھ ہم تو ان چکوروں سوا ای ماہ کم نہیں

فائز ہندوؤں کے مذہبی عقیدوں اور معاشرتی طریقوں کی طرف اکثر اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً بالوں کی لٹوں کو سہس ناگنی، جوڑے کو کنھیا کا گیند، خوب صورت عورت کو اندر کی اپسرا، حسینوں کے مجمع کو اندر کی سبھا، شب ہجر کے ایک پل کو برمھا کی گھڑی قرار دیتے ہیں۔ ذیل کے شعر ملاحظہ ہوں :-

جوڑا نہیں گیند ہے کنھیا کی — یا سہس ناگنی ہے دریا کی

ہر اک پنہار واں اک اپچھرا تی — کنویں کے گرد اندر کی سبھا تی

اپچھرا اندر کی سوں تھی خوب تر — حسن اس کا تھا پری سوں بیش تر

دل فریبی کی ادا اس کی انوپ　　روپ میں تھی رادھکا سوں بھی سروپ

چھری میں اُس کی اُرلسی ریبھا ورادھکا　　پر بھو نے رچا بنائی نہیں ویسی دوسری

ہر اندر کی مانو سبھا جلوہ گر　　کہ ہر نار دستی ہر ریبھا سوں در

اے جاں شب ہجران تری سخت بڑی ہر　　ہر پل گراس تن کی برہما کی گھڑی ہر

اسی طرح رام رام کرنا، نو نرائن کہنا، تپ یا تپسیا کرنا، وغیرہ یہ چیزیں بھی فائز کے یہاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً

خوب رو آشنا ہیں فائز کے　　مل سبھی رام رام کرتے ہیں

جب کرے تپ سورج کی کھاڑی رہ　　چرخ منہ موڑے ڈنو نرائن کہ

رہ کھڑا اک پانوں پر بگلا　　ہر تپیتی وہ تجمد جوبن کا

فائز کے کلام میں صنعتیں، تشبیہیں اور استعارے

فائز نے اپنے کلیات کے خطبے میں لکھا ہر کہ شاعر کا کمال صنائع شعریہ پر موقوف ہر۔ ہر شخص جو فی الجملہ موزوں طبع ہر اور سہل شعر کہہ لیتا ہر وہ اپنے کو شاعر علامہ سمجھ لیتا ہر حالانکہ ایسا نہیں ہر بلکہ شاعر کی استعداد صنائع میں ظاہر ہوتی ہر۔ یہ لکھنے کے بعد فائز نے بہت سی صنعتوں کا بیان کیا ہر اور تمام صنعتوں کی مثالوں میں اپنے شعر پیش کیے ہیں۔ اس طرح انھوں نے اپنی قادرالکلامی

کا ثبوت دے دیا ہی اور بہ قول خود شاعری کا کمال دکھا دیا ہی مگر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فائزؔ کی زبان سلیس اور بیان بے تصنع ہی ۔ وہ صنعتوں کا التزام نہیں کرتے ہیں ۔ مگر کہیں کہیں کوئی صنعت اُن کے یہاں نظر آجاتی ہی ۔ مثلاً

ہووے سرو بازار دامن کا دیکھ   اگر گرد دامن کناری لگے

ایک پل جا نہ کہیں نین سوں ای نورِ بصر   ٹک نہ ہو اس دل تاریک سوں ای بدر بدر

دامن اور دامن ، بدر اور بدر میں تجنیس محرف ہی ۔

تجھ دام میں ای آہوے چین بنا ہی فائزؔ   ہرگز نہیں اس طائرِ اندیشہ خطا پر

تجھے دیکھ فرہاد ای خوش ادا   کرے رات دن جان شیریں فدا

چین اور خطا ، فرہاد اور شیریں میں ایہام تناسب ہی ۔

لشکر سودا نے کیا ہی ہجوم   چھاے مرے دل پہ غمام غموم

غمام اور غموم میں تجنیس لاحق اور شبہ اشتقاق ہی ۔

کنج لب پر اس کے تھا زیندہ خال   تھے دراز اُس مو کمر کے سر کے بال

مو ، کمر ، سر ، بال میں مراعات النظیر ہی ۔

عشق کی آگ میں رہے دن رین   یاد تیرا مگر سمندر ہی

مگر اور سمندر میں ایہام تناسب ہی

دو اُدھر تھے اس کے جیوں یاقوت لال   گل ہوا اس غنچہ لب کے آگے لال

لال اور لال میں تجنیس تام ہی ۔

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین   اُس کا مجھے عشق ہوا فرض عین

لے جاتی ہیں جیوں اچھرا جی کو چھل　　کہ دیکھ اُن کوں پانی میں جی جاے جل

نین اور عین، پانی اور جل میں ایہام تناسب ہے۔

تیری اس صبح بنا گوش وخط شکیں سوں　　سیر کرتا ہوں عجب شام وسحر شام وسحر

یہاں شام وسحر کی تکرار دو معنوں میں ہے۔ ایک معنی میں 'شام وسحر' اسم مفعول ہیں اور دوسرے معنی میں ظرفِ زمان۔

تشبیہ اور استعارے کے استعمال میں فائز خاص امتیاز رکھتے ہیں وہ مقررہ استعاروں اور رسمی تشبیہوں پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اپنے مشاہدے سے نئی تشبیہیں اور نئے استعارے پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً

چاند جیسا ہے شفق بھیتر عیاں　　چہرہ سب کا از گلال آتش فشاں

یعنی روشن چہرے پر گلال ملا ہوا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شفق کے اندر سے چاند نمودار ہے۔

ایک حسین جوگن کے متعلق لکھتے ہیں :۔

نہیں چھپا تن بھبھوت میں سارا　　راکھ میں حسن کا ہے انگارا

یعنی جوگن کے بدن پر بھبھوت نہیں ملی ہوئی ہے بلکہ حسن کا انگارہ راکھ میں چھپا ہوا ہے۔

ایک حسین میوے والی کی تصویر یوں کھینچتے ہیں :۔

پھرتی ہے وہ سورج سی دن کوں دردر　　میواں سوں لے سر پہ تارے چندر

یعنی میووں کے چاند تارے سر پر رکھ کر وہ سورج کی طرح دن بھر گھر گھر پھرا کرتی ہے۔

سب چکورے بھنگیڑ خانے پر　　جیسے کوّے ہیں آشیانے پر

یعنی جس طرح شام کو بسیرے کے وقت بہت سے کوّے ایک جگہ

جمع ہو کر خوب شور کرتے ہیں۔ اسی طرح اوباش لوگ بھنگڑ خانے میں جمع ہو کر غل غپاڑا مچا رہے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ بھنگیڑ خانے میں لقے، لفنگے جمع ہیں۔ اُن میں کچھ ایسے لوگ بھی کھڑے ہوئے ہیں جن کے بدن پر کپڑے تک نہیں ہیں۔ ان لوگوں کو شمع سے تشبیہہ دے کر اُن کی بے سروسامانی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ کہتے ہیں :-

شہدی اور بازاری اُس سنگت میں جمع　　ہر طرف ننگے کھڑے ہیں مثل شمع

ایک خوب صورت گوری چٹی عورت کی ایڑی کو سرخی اور گولائی کی بنا پر نارنگی سے اور تلووں کو سرخ و سفید رنگ کی مناسبت سے سیب سے تشبیہہ دی ہے :-

خوش نما تھا اس کے پگ میں پائے زیب　　ایڑی نارنگی و وہ تلوے تھے سیب

دل کی شکل بادام سے مشابہ ہوتی ہے اور بادام کے چھلکے پر باریک باریک سوراخ کثرت سے ہوتے ہیں۔ اِن دونوں باتوں پر نظر کر کے فائز نے ایک اچھوتی تشبیہہ پیدا کی ہے۔

چھیدتی سب کے دل کوں جیوں بادام　　کرتی تجھ پلک کام سوزن کا

گوری بانہوں کو شمع اور ہاتھوں کو شمع کی لَو قرار دے کر کُرتے کو دو شاخہ فانوس کہنا ایک نادر تشبیہہ ہے۔ ملاحظہ ہو :

پا ہیں حق شلوار زر بفت طلا　　کُرتا فانوس دو شاخہ پُر جلا

فنِ بلاغت کے مسلمات سے ہے کہ تشبیہہ مرکب تشبیہہ مفرد سے زیادہ پُر لطف ہوتی ہے۔ اگر وجہ شبہہ میں حرکت شامل ہو تو تشبیہہ کا لطف اور بڑھ جاتا ہے۔ اِن دونوں باتوں کو نظر میں رکھیے اور ایک نادر تشبیہہ ملاحظہ کیجیے۔ دریا کے کنارے میلا لگا ہوا ہے۔ ستقیا چمکتی ہوئی پیتل

حسین عورتیں رنگ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے اِدھر سے اُدھر آجا رہی ہیں۔ فائز اس متحرک منظر کو تشبیہہ دیتے ہیں ایک چاندی کی تھالی سے جس میں مختلف رنگوں کے جواہرات ڈھلک رہے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

ناری پرنمایاں ہیں میں بدن   جیوں روپے کی تھالی میں ڈھلتے رتن

یہ سب تو حسّی تشبیہوں کی مثالیں تھیں۔ اب ایک عقلی یا تخیلی تشبیہ بھی دیکھیے:۔

اوڑھنی اوڑھی پر کناری زرد   گرد شب کے سورج کی دھاری ہو

فائز کی تشبیہوں، استعاروں اور تلمیحوں میں اگر ایک طرف دیسی رنگ پایا جاتا ہو تو دوسری طرف فارسی شاعری کا اثر بھی موجود ہو۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

اس ساتھ سہ رخاں کو نہیں کچھ برابری   یوسف سے بے نگار پری زاد کم نہیں

گھڑا سر پر کھڑی تھی راہ اُوپر   یقیں یوسف کی تھا ہر چاہ اُوپر

دو جہاں بیچ جنوں کی دولت سے   ہوتے ہیں محمود دو کھ دیکھ ایاز

یا مرے نبی بیں نہیں تجھ ثانی   تو ہے خوبی میں جیوں نقش مانی

لیلیٰ مجنوں کا ذکر سرد ہوا   اب تمہاری ہماری باری ہے

فائز کی نظمیں — فائز کے یہاں مسلسل نظمیں بھی ہیں اور مفردات بھی۔ غزلوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ ان کے عنوان مختلف

ہیں۔ مثلاً تعریفِ پنگھٹ، وصفِ بھنگیڑن، تعریفِ جوگن، بیانِ میلۂ بہتہرا، تعریف بہان نگمبود۔ مگر فائز کی غزلوں کی طرح اِن سب میں بھی زیادہ تر حسن اور اُس کے تاثرات کا بیان ہے۔ صرف دو نظمیں ایسی ہیں جن کے موضوع دوسرے ہیں۔ یعنی ایک مناجات ہے، ایک منقبت۔ اِسی طرح اگرچہ اِن سب نظموں کا وزن ایک نہیں ہے، پھر بھی اُن میں اتنی یکسانی ضرور ہے کہ وہ سب مثنوی کی شکل کی ہیں۔ صرف دو نظمیں ایسی ہیں جن کی شکل دوسری ہے۔ یعنی ایک مخمس ہے اور ایک بحرِ طویل۔ یہ مسلسل نظمیں ثابت کرتی ہیں کہ جس طرح فائز ہماری موجودہ معلومات کی بنا پر دہلی کے پہلے اُردو غزل گو قرار پاتے ہیں اُسی طرح وہ دہلی کے پہلے اُردو نظم گو بھی ٹھہرتے ہیں۔

فائز اور ولی

فائز ولی دکنی کے ہم عصر تھے۔ ان کے اُردو دیوان کے موجودہ نسخے میں صرف بتیس ۳۲ غزلیں ہیں اور اِن میں انیس ۱۹ غزلیں ایسی زمینوں میں ہیں جو ولی کے دیوان میں بھی موجود ہیں۔ اِس حد کی مطابقت کو صرف اتفاقی سمجھنا مشکل ہے۔ ولی کا دیوان بہ قولِ حاتم جلوس محمد شاہ کے دوسرے سال دہلی میں آیا۔ اور فائز کا کلیات اُس سے چند سال پیش تر فرخ سیر کے عہد میں مرتب ہو چکا تھا۔ اِس سے بادی النظر میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ولی نے فائز کی غزلوں پر غزلیں کہیں مگر امکان اس کا بھی ہے کہ ولی کے دیوان سے پہلے اُن کی غزلیں دہلی پہنچنے لگی ہوں اور فائز نے ان کے جواب میں غزلیں کہی ہوں۔ بہرحال سرِدست یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ہم طرح غزلوں میں تقدم کا شرف کس کو حاصل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اِن میں سے بعض غزلیں فائز نے پہلے کہی ہوں اور بعض ولی نے۔

ہمارے ادب کی تاریخ میں یہ مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ امید ہے کہ ادبی تحقیق کرنے والے اس کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ذیل میں فائز اور ولی کی ہم طرح غزلیں درج کی جاتی ہیں کہ ان کا تقابل آسانی سے کیا جا سکے

فائز

خوباں کے بیچ جاناں ممتاز ہے سراپا — انداز دل بری میں اعجاز ہے سراپا
پل پل مٹک کے دیکھے ڈگ ڈگ چلے لٹک کر — وہ شوخ چھل چھبیلا طناز ہے سراپا
ترچھی نگاہ کرنا، کترا کے بات سننا — مجلس میں عاشقوں کی انداز ہے سراپا
نینوں میں اس کی جادو زلفاں ہیں اس کی پھاندا — دل کے شکار میں وہ شہباز ہے سراپا
غمزہ، نگہ، تغافل، انکھیاں سیاہ چنچل — یارب نظر نہ لاگے انداز ہے سراپا

ولی

وہ ناز ہور ادا میں اعجاز ہے سراپا — خوبی میں گل رخاں سوں ممتاز ہے سراپا
ای شوخ تجھ نین میں دیکھا نگاہ کر کر — عاشق کے مارنے کا انداز ہے سراپا
جگ کے ادا شناساں جن کی ہے فکر عالی — تجھ قد کوں دیکھ بولے یو ناز ہے سراپا
کیا ہو سکیں جگت کے دلبر ترے برابر — تو حسن ہور ادا میں اعجاز ہے سراپا
گاہے ای عیسوی دم یک بات لطف سوں کر — جاں بخش مجھ کوں تیری آواز ہے سراپا
مجھ پر ولی ہمیشہ دلدار مہرباں ہے — ہر چند حسب ظاہر طناز ہے سراپا

فائز

مجھ پاس کبھی وہ قد شمشاد نہ آیا — اس غم سے وہ دل برا ستادہ نہ

گلشن مری انکھیاں میں لگے گلخن دوزخ
جو سیر کو مجھ ساتھ پری زاد نہ آیا

سا نجھ آ کی یوون بی ہوا فار ہیں آخر
وہ دل پرجا دو گر صیاد نہ آیا

آیا نہ تہن پاس لیا وعدہ خلافی
فائز کا کچھ احوال مگر یاد نہ آیا

ولی

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ مرا حال اُسے یاد نہ آیا

مدت ستی مشتاق ہیں عشاق جفا کے
بیداد کہ وو ظالم بیداد نہ آیا

جاری کیا ہوں جوے رواں اشک نزار سوں
افسوس کہ وہ غیرتِ شمشاد نہ آیا

جس غم منیں موزوں کیا ہو آہ کا مصرع
وہ مصرعِ دل چسپ پری زاد نہ آیا

پہنچی ہے ہر اک گوش میں فریاد ولی کی
لیکن وہ صنم سننے کوں فریاد نہ آیا

فائز

گل ترے مکھ کی فکر میں بیمار
جیو بلبل کا تجھ قدم پہ نثار

گلی کوں اے شوخ ٹک تنک دیکھلا
کہ خزاں کر دکھاوے اس کوں بہار

مست سے دل کوں ہے عذر لازم
نین تیرے بہت ہوئے سرشار

اس گلی میں قدم کرم سوں دھر
کہ کروں سر قدم پہ جیو نثار

مارتی مجھ کوں اے کماں ابرو
یہ پلک تیر و یہ نگہ تلوار

ہجر میں تیرے آہ کرتا ہے
دلِ عاشق نہیں ہے ٹک بے کار

کیا کرے تجھ سے اپنی سوں فائز
سینہ غم سوں ہے تیرے آبلہ دار

ولی

گر چمن میں چلے وہ رشکِ بہار
گل کریں نقدِ آب و رنگ نثار

بلبلاں ہر طرف سوں اٹھ دوڑیں — دیکھنے کوں اسے ہزار ہزار
یاد تجھ خطِ سبز کی اے شوخ — زخمِ دل پر ہے مرہمِ زنگار
حق نے تیری آنکھاں کوں بخشا ہے — مئے وحدت سوں ساغرِ سرشار
جن نے دیکھا ہے اس پری رو کوں — صورتِ ہوش سوں ہوا بیزار
تجھ درس کے خیال میں قائم — مثلِ نیساں ہے چشم گوہر بار
تجھ لب آگے اے مشتری طلعت — آبِ حیواں کا سرد ہے بازار
بسکہ پایا ہے تجھ جفا سوں شکست — خانۂ دل ہوا ہے آئینہ وار

اے ولی اس سوں حرفِ ہوش نہ پوچھ
جو ہوا مستِ جلوۂ دیدار

فائز

ابرو نے ترے کھینچی کماں جور و جفا پر
قرباں کروں سو جیو ترے تیرِ ادا پر
یاقوت کو لاوے نہیں خاطر میں کبھی وہ
جس کی نظر اے یار پڑے تیری حنا پر
کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ مالو
کیا زیب دیوے نیمہ تری سبز قبا پر

تجھ دام میں اے آہوئے چیں بند ہے فائز
ہرگز نہیں اس طائرِ اندیشہ خطا پر

ولی

آیا جو کمر باندھ کے تو جور و جفا پر — تیر جی نے تصدق کیا تجھ بانکی ادا پر

مجھ دیدہ خوں بار میں ایک بار قدم رکھ
ای شوخ ترا جیو ہی گر رنگ حنا پر

انکھیاں میں بہ خوبانِ جہاں کی کہ گئی میں
بوٹی نہیں نرگس کی صنم تیری قبا پر

[illegible] بہ خط کوں دیا مشکِ ختن سوں
عالم کوں وہ آگاہ کیا اپنی خطا پر

دشوار ہی حیرت سوں ولی اس کا نکلنا
باندھا ہی جو دل اُس رخِ آئینہ نما پر

فائز

تری گالی مجھ دل کوں پیاری لگے
دعا میری تجھ من میں بھاری لگے

تدی قدر عاشق کی بوجھے سجن
کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے

بھلا دیوے وو عیش و آرام سب
جسے زلف سیں بے قراری لگے

نہیں تجھ سا اور شوخ ای من ہرن
تری بات دل کوں نیاری لگے

بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند
پلک تیری جیسے کٹاری لگے

ہووے سرد بازار دامن کا دیکھ
اگر گرد دامن کناری لگے

نہ جانوں تو ساقی تھا کس بزم کا
نین تیری مجھ کوں خماری لگے

وہی قدر فائز کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

ولی

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی جگ میں بھاری لگے

نہ چھوڑے محبت دمِ مرگ تک
جسے یار جانی سوں یاری لگے

نہ ہووے اسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے

ہر اک وقت مجھ عاشقِ زار کوں
پیارے تری بات پیاری لگے

ولی کوں کہے تو اگر یک بچن
رقیباں کے دل میں کٹاری لگے

فائز

سجن مجھ پر بہت نامہرباں ہے
کہاں وو عاشقاں کا قدرداں ہے

کہوں احوال دل کا اس کو کیوں کر
بہت نازک مزاج و بدزباں ہے

مرا دل بندِ ہے اس نازنیں پر
عجب اس خوش لقا میں ایک آں ہے

بھواں شمشیر ہیں وو زلف پھانسی
ہر اک پلک اس کی مانندِ سناں ہے

چندر بے وقر ہے اس بدر آگے
صفا اس مکھ کی ہر اک پر عیاں ہے

سمجھتا ہے ترے اشعار فائز
خدا کے فضل سوں وہ نکتہ داں ہے

ولی

صنم میرا نپٹ روشن بیاں ہے
بہ رنگ شعلہ سرتا پا زباں ہے

نظر کرتے میں دل اس کا لیا ہوں
کمندِ گل نگاہِ بلبلاں ہے

بجا ہے گر وہ سروِ گلشنِ ناز
ہماری راستی پر مہرباں ہے

وفا کر حسن پر مغرور مت ہو
وفاداری بہارِ بے خزاں ہے

صنم مجھ دیدہ و دل میں گزر کر
ہوا ہے باغ ہے آبِ رواں ہے

ہوا تیرِ ملامت کا نشانہ
نظر میں جس کی وو ابرو کماں ہے

ولی اس کی جفا سوں خوف مت کر
جفا کرنا وفا کا امتحاں ہے

فائز

مرا محبوب سب کا من ہرن ہے
نظر کر دیکھو وو آہو نین ہے

نہیں اب جگ میں ولیسا اور ساجن
مجھے صورت شناسی بیچ فن ہے

سبھی دیوانے ہیں اس مہ لقا کے ‏ مگر وہ دل بر جادو نین ہے
مرے ویرانے دل میں آکے پیارا ‏ شکار آکر کرو یہ کدلی بن ہے
کرے رشکِ گلستاں دل کو فاکر ‏ مرا ساجن بہارِ انجمن ہے

ولی

یہ تل زنگی و خط مشکِ ختن ہے ‏ سخن مصری و لبا کانِ یمن ہے
مرے پر کھینچتے ہیں تیغِ ہندی ‏ ترے ابرو کہ جیسا جن کا وطن ہے
ہوئی ہیں دنگ تصویرِ فرنگ دیکھ ‏ تری صورت کہ یہ رشکِ وثن ہے
دسے تیرے نیناں میں کا نور و دیس ‏ تری باتاں میں بنگالے کا فن ہے
ترے لب میں دسے لعلِ بدخشاں ‏ سخن تیرا سراک دُرِّ عدن ہے
تری یہ زلف ہے شامِ غریباں ‏ جبیں تیری مجھے صبحِ وطن ہے
ولی ایران و توراں میں ہے مشہور ‏ اگرچہ شاعرِ ملکِ دکن ہے

شکار انداز دل وہ من ہرن ہے ‏ لقب جس شوخ کا جادو نین ہے
ہوا ہے جو شہیدِ لالہ رویاں ‏ بہ رنگ داغ دل خونیں کفن ہے
نہیں درکار گل گشتِ چمن زار ‏ بہار عاشقاں وہ گل بدن ہے
کرے گی سنگ دل کے دل میں جا نقش ‏ صدائے بے دلاں فرہاد فن ہے
بجا ہے اس کو کہنا خسروِ وقت ‏ نظر میں جس کی وہ شیریں بچن ہے
ترا قد اے بہارِ گلشنِ ناز ‏ مثالِ سروِ زیبِ صد چمن ہے
خودی سوں اولاً خالی ہوا کر دل ‏ اگر اس شمعِ روشن کی لگن ہے
غلام و قدوی درگاہِ احمد ‏ سدا اس کی زباں پر یہ بچن ہے

ہوا جو خادم شاہِ ولایت ولی ہو والیِ مُلکِ سخن ہو

فائز

بار سہرا میانِ گلشن ہو عرقِ خوں پھول تابہ دامن ہو
دل لبھاتا ہو سب کا وہ ساجن دل فریبی میں اس کو کیا فن ہو
تارے جیوں دُر ہیں اس کے حلقہ بہ گوش وہ بناگوش صبحِ روشن ہو
اس نظارے سے سب شہید ہوے وہ نین کیا بلاے رہزن ہو
کیا بیاں کر سکوں میں گت اُس کی فائزؔ اُت خوش ادا سریجن ہو

مکھ ترا صاف مثلِ درپن ہو[۱] نین عقل و ہراں کی رہزن ہو

ولی

عارفاں پر ہمیشہ روشن ہو کہ فنِ عاشقی عجب فن ہو
دشمنِ دیں کا دین دشمن ہو راہ زن کا چراغ روشن ہو
کیوں نہ ہو مظہرِ تجلیٔ یار کہ دل صاف مثلِ درپن ہو
عشق بازاں ہیں تجھ گلی میں مقیم بلبلاں کا مقام گلشن ہو
سفرِ عشق کیوں نہ ہو مشکل غمزۂ چشمِ یار رہزن ہو
بارمت دے رقیب کو اے یار دوستاں کا رقیب دشمن ہو
تنگ چشمی ہو راہ بے بصری گرچہ مقدارِ چشم سوزن ہو

---

[۱] اس غزل کا صرف مطلع رہ گیا ہو۔ بقیہ اشعار جس ورق پر تھے وہ غائب ہوگیا ہو۔

مجھ کوں روشن دلاں نے دی ہی خبر — کہ سخن کا چراغ روشن ہی
گھیر رکھتا ہی دل کوں جامۂ تنگ — جگ سنین دوُر دورِ دامن ہی
عشق میں شمع روکے جلتا ہوں — حال میرا سبھوں پہ روشن ہی
ای ولی تیغِ غم سوں خوف نہیں — خاک ساری بدن پہ جوشن ہی

فائز

مرے دل بیچ نقشِ نازنیں ہی — نگر یہ دل نہیں یارو نگیں ہی
کمر پر تیری اس کا دل ہوا محو — ترا عاشق بہت باریک بیں ہی
جو کہیے اس کے حق میں کم ہی بیشک — پری ہی حور ہی روح الامیں ہی
غلام اُس کے ہیں سارے اب ہیرجن — نگر ہیں حسن کے کرسی نشیں ہی
مجھے ہی موشگافی میں مہارت — جو نت دل محوِ خطِ عنبریں ہی
نظر کر لطف کی ای شاہ خوباں — ترا فائز غلامِ کمتریں ہی

ولی

ترے لب پر جو خطِ عنبریں ہی — خطِ یاقوت سوں نقشِ نگیں ہی
چمن آرائے باغِ خوش ادائی — نہالِ قد سرو گل جبیں ہی (کذا)
کہو زاہد سے جاوے اُس گلی میں — اگر مشتاقِ فردوسِ بریں ہی
نہ آوے گی کدھی لکھنے میں ہرگز — مصور یو ادائے نازنیں ہی
ہمیشہ دیکھتی ہی تجھ کمر کوں — نگہ میری سدا باریک بیں ہی
مرے حق میں عنایت نامۂ یار — مثالِ شہپرِ روح الامیں ہی
کرے اک آن میں جگ کو دِوانا — نگہ تیری کہ جادو آفریں ہی

نہیں گل برگ گلشن میں ای لالن
تیرے گل گوں کا یہ دامان زیں ہے
سویدا کی نمط جاوے نہ ہرگز
خیال اُس خال کا جو دل نشیں ہے
ولی جن نے سنا میرے سخن کوں
زباں پر اس کی ذکرِ آفریں ہے

فائز

ای سجن وقتِ جاں گدازی ہے
موسم عیش و فصلِ بازی ہے
ان چکوروں سے دور رہ ای چاند
قول عشاق کا نمازی ہے
اِس قلندر کی بات سہل نہ بوجھ
عشق کے فن میں فخرِ رازی ہے
ہم قریں مجھ نہ کر رقیباں سوں
طور یاروں کا پاک بازی ہے
عاشقاں جان و دل گنواتے ہیں
یہ نہ طورِ زمانہ سازی ہے
فائز اُس خوش ادا سریجن پاس
بے گناہاں کا قتل بازی ہے

ولی

عشق بے تاب جاں گدازی ہے
حسن مشتاق دل نوازی ہے
اشک خونیں سوں جو کیا ہے وضو
مذہب عشق میں نمازی ہے
جو ہوا رازِ عشق سوں آگاہ
وہ زمانے کا فخرِ رازی ہے
پاک بازاں سوں یو ہوا معلوم
عشق مضمونِ پاک بازی ہے
جا کے پہنچی ہے حدِ ظلمت کوں
بسکہ تجھ زلف میں درازی ہے
تجربے سوں مجھے ہوا ظاہر
نازِ مفہوم بے نیازی ہے

ای ولی عشقِ ظاہری کا سبب
جلوۂ شاہدِ مجازی ہے

فائز

تجھ بدن پر جو لال ساری ہے
عقل اس نے مری بِساری ہے

بال دیکھے ہیں جب سوں میں تیرے
زلف سی دل کوں بے قراری ہے

سب کے سینے کو چھید ڈالا ہے
پلک تیری مگر کٹاری ہے

اوڑھنی اودی پر کناری زرد
گرد شب کے سورج کی دھاری ہے

قہر و لطف و تبسم و خندہ
تیری ہر اک ادا پیاری ہے

ترچھی نظراں سے دیکھنا ہنس ہنس
مورسے چال تجھ نیاری ہے

دھوپ سا یو کپول ناری ہے
کرن سورج کی وو کناری ہے

چھپ رقیباں سوں آتا نہیں وو چاند
کیا رین ہجر کی اندھیاری ہے

نہیں اثر کرتا صبر کا مرہم
دلِ عاشق میں زخم کاری ہے

گلِ باغِ جنوں ہے رسوائی
عزتِ ملکِ عشق خواری ہے

خونِ دل بادہ و جگر ہے کباب
نغمۂ بزمِ وصل زاری ہے

لیلیٰ مجنوں کا ذکر سرد ہوا
اب تماری ہماری باری ہے

ملنا عاشق سوں ہے بہانے سوں
یہ نصیحت تمن ہماری ہے

مجکوں مت جانو یاد سوں غافل
رات دن دل کوں لو تماری ہے

دل بندھا سخت تیری زلفاں پر
عقل فائز کی اُن بِساری ہے

ولی

دل کوں تجھ باج بے قراری ہے
چشم کا کام اشک باری ہے

شبِ فرقت میں مونس و ہمدم | بے قراری و آہ و زاری ہے
ای عزیزاں مجھے نہیں برداشت | سنگ دل کا فراق بھاری ہے
فیض سوں تجھ فراق کے ساجن | چشمِ گریاں کا کام جاری ہے
فوقیت لے گیا ہوں بلبل سوں | گرچہ منصب میں دہ ہزاری ہے
عشق بازی کے حق منیں قاتل | ہر نگہ خنجر و کٹاری ہے
آتشِ ہجر لالہ روسوں ولی | داغ سینے میں یادگاری ہے

تجھ بنا مجھ کوں بے قراری ہے | میری انکھیاں سوں اشک باری ہے
کیوں نہ ہو چاک چاک میرا دل | شوخ کے ہاتھ میں کٹاری ہے
یک نگہ سوں کیا ہے مست مجھے | اُس کی انکھیاں میں کیا خماری ہے
تیرے ابرو نے مجھ کوں قتل کیا | کیا بلا اس میں آب داری ہے
اب ولی نے یہ تیری صورتِ حسن | صفحۂ دل اُپر اتاری ہے

فائز

ای خوب رُو فرشتہ سیر انجمن میں آ | سروِ رواں حسن ہمارے چمن میں آ
منھ باندھ کر کلی سا نہ رہ میرے پاس تو | خنداں ہو کر کے گل کی صفت ٹک سخن میں آ
عشاق جاں بکف ہیں کھڑے تیرے آس پاس | ای دل ربا سے غارتِ جاں اپنے فن میں آ
دوری نہ کر کنار سیوں میرے نوای ہما | کب لگ رہے گا دور تک اپنے وطن میں آ
تیرے ملاپ بن نہیں فائز کے دل کو چین | جیوں روح ہو لب ترے تو میرے بدن میں آ

ولی

ای رشکِ ماہ تاب تو دل کے صحن میں آ | فرصت نہیں ہو دن کوں گر تو رین میں آ

اے گل عذار غنچہ دہن ٹک چمن میں آ
گل سر پہ رکھ کے شمع نمن انجمن میں آ

جیوں طفلِ رشک بھاگ نہ تو مجھ نظر ستی
اے نورِ چشم نور نمط مجھ نین میں آ

کب لگ اپس کے غنچۂ لب کو رکھے گا بند
اے نو بہارِ باغِ محبت سخن میں آ

تا گل کے رو سے رنگ اڑائے اُس کی نمط
اے آفتابِ حسن لٹک سوں چمن میں آ

تجھ عشق سوں کیا ہے دکّی دل کوں بیتِ غم
سرعت ستی اے معنیِ بیگانہ من میں آ

فائز

تجھ سا نہیں ہے زلف و خط پری کا
یہ ناز ہے سحرِ سامری کا

کرناں کا بنا ہے نور رخ سوں
چیرہ ہے جو سر پہ تجھ زری کا

ہنس ہنس جو مجھے نظر کرے ہے
ہے طور غریب پروری کا

اے چاند تجھ آگے غرقِ خجلت
ہر شام ہے مہر خاوری کا

دوری نہ کرو ہمن سے اس حال
دل محو تمہاری دل بری کا

تجھ قد کو بغل کرے تمنا
فائز کو خیال برتری کا

ولی

طالب نہیں ماہ و مشتری کا
دیوانہ ہوا جو تجھ پری کا

یو غمزۂ شوخ ساحری نین
استاد ہے سحرِ سامری کا

تجھ تل سے اے آفتابِ طلعت
ممنوں ہوں ذرہ پروری کا

کفّارِ فرنگ کو دیا ہے
تجھ زلف نے درس کافری کا

تیرا خطِ خضر رنگ اے شوخ
سلطان ہے خشکی و تری کا

دو سر سوں قدم تلک جھلک ہیں
گویا ہی قصیدہ انوری کا
خورشید سوں ہم سری کرے ہی
چہرہ ترے سر اُپر زری کا
ای غنچہ نہ فخر کر کہ یو دل
تکمہ ہی پیا کی بکتری کا
پایا ہی جو کوئی دولتِ فقر
مشتاق نہیں سکندری کا
پھیکی سی لگے اُس کو شانِ دولت
چاکھا جو مزہ قلندری کا
کہتا ہی ولی پکار یو بات
بندہ ہوں پیا کی دلبری کا

فائز

مستمنداں کو ستایا نہ کرو
بات کو ہم سے دُرایا نہ کرو
دل شکنجے میں نہ ڈالو میرا
زلف کو گوندھ بنایا نہ کرو
حسنِ بے ساختہ بھاتا ہی مجھے
سرمہ انکھیاں میں لگایا نہ کرو
تم سے مجھ دل کو بہت ہی امید
مجھ سے مسکیں کو کڑھایا نہ کرو
بھیدلاں سوں نہ پھراوو مکھڑا
ہم سے تم آنکھ چھپایا نہ کرو
مخلص اپنے کو نہ مارو ناحق
حقِ اخلاص بھلایا نہ کرو
عشق میں فائز شیدا مستانہ
اس کوں سب ساتھ ملایا نہ کرو

ولی

صحبتِ غیر میں جایا نہ کرو
دردمنداں کو کڑھایا نہ کرو
حق پرستی کا اگر دعوا ہی
بے گناہاں کو ستایا نہ کرو
اپنی خوبی کے اگر طالب ہو
اپنے طالب کوں جلایا نہ کرو
ہی اگر خاطرِ عشاق عزیز
غیر کوں درس دکھایا نہ کرو

مجھ کوں ترشی کا ہے پرہیز صنم
چین ابرو کو دکھایا نہ کرو

دل کوں ہوتی ہے صنم بے تابی
زلف کوں ہاتھ لگایا نہ کرو

نگہ تلخ سوں اپنی ظالم
زہر کا جام پلایا نہ کرو

ہم کوں برداشت نہیں غصے کی
بے سبب غصے میں آیا نہ کرو

پاک بازاں میں ولی ہے مشہور
اُس سوں چہرے کو چھپایا نہ کرو

فائز

جب سجیلے خرام کرتے ہیں
ہر طرف قتل عام کرتے ہیں

مکھ دکھا چھب بنا لباس سنوار
عاشقوں کو غلام کرتے ہیں

گردش چشم سوں سریجن سب
بزم میں کارِ جام کرتے ہیں

یہ نہیں نیک طور خوباں کے
آشنائی کو عام کرتے ہیں

مرغ دل کے شکار کرنے کوں
زلف و کاکل کو دام کرتے ہیں

شوخ میرا بتاں میں جب جاوے
اس کو اپنا امام کرتے ہیں

خوب رو آشنا ہیں فائز کے
بل سبھی "رام رام" کرتے ہیں

ولی

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

دیکھ خوباں کو وقت ملنے کے
کس ادا سوں سلام کرتے ہیں

کیا وفادار ہیں کہ ملنے میں
دل سوں سب رام رام کرتے ہیں

کم نگاہی سے دیکھتے ہیں ولے
کام اپنا تمام کرتے ہیں

کھولتے ہیں جب اپنی زلفاں کوں
صبحِ عاشق کو شام کرتے ہیں

صاحب لفظ اس کوں کہہ سکیے جس سوں خوباں کلام کرتے ہیں
دل لے جاتے ہیں ای دلی میرا
سرو قد جب خرام کرتے ہیں

زلف کوں کھول دام کرتے ہیں آہوئے دل کو رام کرتے ہیں
دیکھ تجھ لعل لب کی کیفیت زاہداں مے حرام کرتے ہیں
بلبلاں چھوڑ کر چمن کوں سجن تجھ گلی میں مقام کرتے ہیں
گل رخاں فیض لب کے پانی کوں بادہ لعل جام کرتے ہیں
ناوک ناز شوخ چشماں کے دل میں عاشق کے کام کرتے ہیں
کم نگاہی سے دیکھتے ہیں ولی
کام اپنا تمام کرتے ہیں

فائز اور ولی کی ان غزلوں کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعری میں فائز کا مرتبہ ولی سے کسی طرح کم نہیں ہے

فائز کی زبان

فائز کی زبان کوئی پونے تین سو برس پہلے کی اردو ہے۔ اس لیے اس میں فطری طور پر ایسے لفظ موجود ہیں جو بعد کو متروک ہو گئے۔ یہ لفظ تقریباً سب کے سب ہندی ہیں اور ان میں سے اکثر ہندی زبان میں اب تک استعمال ہوتے ہیں۔ مگر اردو میں ان میں سے بعض کی جگہ دوسرے ہندی لفظوں نے اور بعض کی جگہ فارسی لفظوں نے لے لی ہے۔ ایسے کچھ الفاظ یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے قوسین میں ان کے معنی بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ ملکھ (جھوٹ) نس (رات) نار (عورت) چیری (لونڈی) اکٹھ (رہونٹ)

برکھ (برس) درپن (آئینہ) رنانا (بے چارہ) من (دل) گمانی (مغرور) چھن (لمحہ) بسرنا (بھولنا) آبھوگن (زیور) سگل (سب) انیک (کئی، بہت سے) میت (دوست) مرگ (ہرن) سن (مثل) برہ (ہجر) چرن (پانوں) ہت (محبت) بیاکل (بے چین) پاتی (خط) نچنت (بے فکر) ٹھور (جگہ) اتر (جواب) نظرائی (دیدہ دلیری) دسنا (دکھائی دینا) سوبھا (خوب صورتی) لگ (تک) ناری (بھی) تیں (تو) ہے اُردو کا لفظ سے اس صورت میں بھی موجود ہے مگر اس کی جگہ سیں، سوں، سنی اور سیتی بھی ملتا ہے۔ کسی کی جگہ کسو اور کبھی کی جگہ کبھو کہیں نہیں ملتا لیکن ایک جگہ کہیں کے معنی میں کہوں ملتا ہے۔ کرتا تھا، کہتا تھا وغیرہ کی جگہ کرے تھا، کہے تھا وغیرہ تو کبھی استعمال کیا ہی نہیں گیا۔ آتا ہے، جاتا ہے وغیرہ کی جگہ آئے ہے جائے ہے وغیرہ بھی ایک دو جگہ سے زیادہ نہیں آیا ہے۔

مفرد لفظوں کے علاوہ بعض ایسے محاورے بھی فائز کے یہاں ملتے ہیں جو لبد کو متروک ہوگئے۔ مثلاً یاری لگنا (محبت ہونا) بھاری لگنا (گراں گزرنا) سخن میں آنا (باتیں کرنا) فن ہونا (مشق، مہارت یا کمال ہونا) آخری محاورہ ذیل کے مصرعوں میں آیا ہے:-

مجھے صورت شناسی بیچ فن ہے

دل فریبی میں اس کو کیا فن ہے

دل بری میں تجھے عجب فن ہے

فارسی اور عربی لفظوں کی جمع فارسی قاعدے کے مطابق بغیر فارسی

ترکیب کے بھی استعمال کی گئی ہے مثلاً زلفاں ، حوراں ، نظراں اس سے
بڑھ کر یہ ہے کہ ہندی لفظوں کی جمع بھی اکثر فارسی قاعدے کے مطابق بنائی
گئی مثلاً کرن ، بھون ، ہاتھ ، بات اور دانت کی جمع کرناں ، بھواں ،
ہاتاں ، باتاں باتاں ب ، داتاں ایسی جمعوں میں صرف دو جگہ علامت جمع
سے پہلے ایک ی بڑھا دی ہے ۔ یعنی کلول کی جمع کلولیاں اور ٹھٹھول کی
جمع ٹھٹھولیاں لائے ہیں ۔ بعض ہندی اور غیر ہندی لفظوں کی جمع اردو کے
قاعدے کے مطابق بھی لائی گئی ہے مثلاً ہے مناسب دل بروں سے دل بری۔
بے گنا ہوں کا عبث لیتا ہے پاپ ۔ مناسب نہیں عاشقوں سے حجاب۔
تو رقیبوں سے کے چمن میں خنداں ۔ خوب رویوں سے واں لگا دربار ۔
ان چکوروں سے دور رہا ای چاند ۔

فائز ہندی اور فارسی لفظوں کو فارسی قاعدوں کے مطابق ترکیب
دیتے ہیں ۔ مثلاً آہو نین ، جادو نیں ، کنچن بدن ، ہاتھ بستہ ، گھر بہ گھر ،
دل و انکھیاں ، عشق و لاج ، مرگ و نتھ ، کہل و رتھ ، شعلہ جوبن ، بکھر جوبن ، فوج پنہار
فارسی کے مصدر اور فعل تو استعمال نہیں کرتے ۔ مگر حروف معنوی کبھی کبھی
لے آتے ہیں ۔ مثلاً

چہرہ سب کا از گلال آتش فشاں

متے ہاتھی سی چلتی تھی ز جوبن

جیوں سبھا نادر کی در باغ ارم

پان پھرائی تھی وہ جب برزہ کاں

شور تیرا سبھی کے ورسہ ہی   ذکر تیرا بہ شہر گھر گھر ہی

ایک جگہ فارسی ضمیر استعمال کی ہی مگر فارسی ترکیب کے ساتھ،

"بیتیں برکھ برکھ زعم او گھڑا گھڑی" کو یا کوں کا لفظ علامت اضافت کے طور پر بھی لاتے ہیں مثلاً

تجھ کو خوبی میں اب نہیں جوڑا

تجھ کوں نہیں ہی ثانی

نہیں تجھ کو شریک ای ذات بیچوں

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین

کہ خنجر گزاری ہی اس کوں شعار

پر اور اس کے مخفف "پہ" کو کئی جگہ کچھ عجب طرح سے استعمال کیا ہی جیساکہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا۔

مرا دل بند ہی اس نازنیں پر   دل بندھا سخت تیری زلفاں پر

محو ہوں میں جمال پر تیرے   محو ہوں درین سا تجھ پر ای حبیب

عالم ہی تجھ پہ حیراں   دل بند تجھ پہ میرا

حروف معنوی اور علامت اضافت کو اکثر حذف کر دیتے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جہاں کہیں کوئی لفظ محذوف ہی وہاں ذراسی

جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔

سب کے تن ــــ رخت کیسری ہے یاد
سبوں کے رنگ برنگ تھی باکھڑی ہاتھ
(میں محذوف)

ہر اک غمزے ــــ اپر جاں مبتلا ہے
اس کو سب ــــ ساتھ ملایا نہ کرو
اس ــــ حسن کا دیکھ تازہ گلزار
(کے محذوف)

لال بادل کی تجھ ــــ چھری ہے یاد
ہم قریں مجھ ــــ نہ کر رقیباں سوں
یہ نصیحت تمن ــــ ہماری ہے
مرتے تھے عشاق دیکھ اس خوب رو ــــ
(کو محذوف)

عقل فائز کی اُن ــــ لباری ہے
بال نیچے ہیں جب سے ہیں ــــ تیرے
تیرے پیچھے سبی کو ہم ــــ چھوڑا
(نے محذوف)

کبھی کبھی حرف ربط ہے اور ہیں کو بھی محذوف کر دیتے ہیں۔ مثلاً

چھیدتی ــــ سب کے دل کوں جیوں بادام　　کرتی ــــ تجھ پلک کام سوزن کا

مارتی ــــ مجھ کوں اے کہاں　　یہ پلک تیر ہے یہ نگہ تلوار۔

دوری نہ کر ہمن سے اس حد　　دل خو　　تاری بنل برکا

موزونیت کی ضرورت سے لفظوں کے تلفظ میں (۱) کبھی متحرک

حرف کو ساکن (۲) کبھی ساکن کو متحرک (۳) کبھی مخفف کو مشدّد (۴) کبھی مشدّد کو مخفف کر دیتے ہیں۔

(۱) پَلک۔ ہَرَن۔ کِرَن (۲) نَیَن۔ نَرَین۔ حُسَن (۳) ہنگامہ۔ نکھ (۴) کے (کلّے) دیا (دیّا)۔ اسی ضرورت سے (۱) کبھی اعراب کو کھینچ کر حرف علت تک پہنچا دیتے ہیں۔ (۲) کبھی حروف علت کو دبا کر اعراب کی حد میں لے آتے ہیں۔ مثلاً (۱) پھاندا (پھندا) لاگے (لگے) ساجن (سجن) راکھ (رکھ) ناہیں (نہیں) بہوت (بہت) میٹھائی (مٹھائی) موئنہ (منھ) ہوائی (ہوئی) چھوٹی (چھوٹی)

(۲) اُپر (اوپر) گل (گال) ہت (ہاتھ) دِکھ (دیکھ) اُگے (آگے) سُرج (سورج) دِوے (دیوے) لویں (لیویں) دِکھے (دیکھے) نہیں بروزن فع۔ اندھیاری بروزن فعولن۔

اُردو غزل میں یار کا لفظ معشوق یا محبوب کے معنی میں آتا ہو مگر فائز نے اسے عاشق کے مفہوم میں بھی استعمال کیا ہو مثلاً

عشق کی آگ میں رہے دن رین   یار تیرا اگر سمندر ہو
راست اگر سرو سی قامت کرے   یار کی آنکھوں میں قیامت کرے

اسی طرح یاری کا لفظ عشق یا محبت کے معنی میں استعمال کیا ہو کہتے ہیں

تدی قدر عاشق کی بوجھے سجن   کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے

دنیا کی ہر زبان میں ہمیشہ کچھ پرانے لفظ استعمال سے خارج اور کچھ نئے لفظ داخل ہوتے رہتے ہیں۔ اردو میں بھی یہ فطری اور ارتقائی عمل جاری ہو اور اسی کا نتیجہ ہو کہ فائز کی زبان ہماری زبان سے کچھ مختلف نظر آتی ہو چند بے قاعدگیوں اور شاعرانہ آزادیوں کو چھوڑ کر

اُن کی زبان اور موجودہ ٹکسالی اُردو میں صرف و نحو کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چناں چہ تقریباً پونے تین سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی ہم کو فائز کے بعض لفظوں کے معنی سمجھنے میں کچھ دقت ہو تو ہو اُن کے کلام کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی

فائز اور عیوب قافیہ فائز عروض اور قافیے کے فنوں سے خوب واقف تھے۔ انھوں نے اپنے کلیات کے خطبے میں اُن سے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور اس سلسلے میں قافیے کے تمام عیب ایک ایک کر کے گنوائے ہیں۔ اگرچہ ان عیبوں کی مثالیں اُن کو ایرانی استادوں کے کلام میں مل گئی ہیں، پھر بھی وہ ان مثالوں کو معیوب قافیوں کے جواز کی سند نہیں مانتے اور ان کو قبیح و ناجائز ہی قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے اُردو کلام میں چند شعر ایسے ملتے ہیں جن میں انھوں نے عیوب قافیے کا لحاظ نہیں رکھا۔ ایک غزل میں پری اور مسخری کے ساتھ دوسری ابری اور گھڑی کو بھی قافیہ کر دیا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

یار ایام دل بری ہے یاد ۔۔۔ سیر گل زار و مے خوری ہے یاد

دل بری کو مے خوری کے ساتھ قافیہ کرنا اگرچہ ہمارے مذاق میں پسندیدہ نہیں ہے مگر ایرانی شاعروں کے یہاں بہت عام ہے اور اس معاملے میں فائز نے انھیں کی پیروی کی ہے۔ ذیل میں فائز کے دو شعر نقل کیے جاتے ہیں جن میں قابل اعتراض قافیے آگئے ہیں: —

عشق معبود کا مناسب ہے ۔۔۔ خالق اس کالبد کا دو رب ہے

کرے دل کو پانی ہر اک مہارنی ۔۔۔ نظر پڑتی پانی اُپر چیندنی

سبن کا دست گیر اس جگ میں تو ہی — خدایا مات دن مجھ من میں تو ہی
سر سے پا تک تمام ننگی تھی — اس کے پنڈے پہ ایک لنگی تھی
مرے دل کو آتا ہی اس سے حذر — کہ ان کو نہ لاگے سورج کی نظر

واوِ معروف اور یائے معروف کو واوِ مجہول اور یائے مجہول کا قافیہ کرنا فائز کے نزدیک معیوب ہی مگر یہ عیب بھی ان کے بعض شعروں میں موجود ہی۔ وہ شعر یہ ہیں :-

مرے دردِ دل کا ہوا اک دم طبیب — جدائی سے تیری ہوا ناشکیب
ایک جانب میں بھانڈ کا ہی شور — دیکھنا ان کا اہلِ دل کو ضرور
شبّر و شبیر نبی کے عزیز — جن سے کیا اہلِ حسد نے ستیز
مہر علی کی ہی جسے دل کے بیچ — خوف سے محشر کے اُسے غم نہ ہیچ

ان چند شعروں کے سوا قافیے کا کوئی عیب شاید اور کہیں نہ ملے گا۔ عروض کے قاعدوں کی پابندی ہر جگہ کی گئی ہی۔ بعض شعر پہلی نظر میں ناموزوں معلوم ہوں گے لیکن کلام کی موزونیت کے لیے لفظوں کے تلفظ میں جو تبدیلیاں فائز نے جائز رکھی ہیں اور جن کا ذکر فائز کی زبان کے سلسلے میں کیا جاچکا ہی اگر وہ نظر میں رکھی جائیں تو کوئی مصرع ناموزوں نہ ٹھہرے گا۔

دیوانِ فائز کا رسم الخط فائز کے دیوان کا قلمی نسخہ جو اس مطبوعہ نسخے کی اصل ہی۔ اس کے رسم خط میں وہ ایسی خصوصیتیں ہیں جن سے اس کے پڑھنے میں بہت دقت ہوتی ہی زمین کو اس دقّت سے بچانے کے لیے یہ کیا گیا ہی کہ جن لفظوں کا املا بدل دینے سے اُن کے تلفظ میں تبدیلی ہوجانے کا احتمال نہیں تھا ان کی صورت

اُردو کے موجودہ رسم خط کے مطابق کردی گئی ہو۔ لیکن وہ اور دو، کو اور کوں، تھی اور تی، تھا اور تا، بی، سبی، اور سبھوں کو ہر جگہ نہایت احتیاط سے اصل کے مطابق لکھا ہو۔ اس لیے کہ ان لفظوں کی صورت بدلنا ان کا تلفظ بدلنے کے برابر تھا۔ اصل نسخے کی رسم خط کی خصوصیتیں مثالوں کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ بھی، سبھی اور سبھوں کو ہمیشہ بی، سبی اور سبوں لکھا ہو۔

۲۔ تھی کو بعض جگہ تی اور ایک جگہ تھا کو تا لکھا ہو۔ تو ہی کو بعض جگہ تو ئی لکھا ہو۔

۳۔ وہ کو زیادہ تر وو اور کبھی تلفظ کے اعتبار سے و (وُ) لکھا ہو۔

۴۔ پیش کی حرکت ظاہر کرنے کے لیے بعض جگہ واو سے کام لیا ہو مثلاً اوس (اُس)، مورکی (مرکی)، موگی (مُگی)، بہوت (بہت)

(۵) زیر کی حرکت کے اظہار کے لیے کبھی کبھی یے سے کام لیا ہو مثلاً دیکھاوے (دکھاوے)

۶۔ معروف اور مجہول یے میں امتیاز نہیں کیا گیا ہو۔ مثلاً کی رکے، تارہی) تجی (تجھے)

۷۔ دوچشمی ہے اور کہنی دار ہے میں فرق نہیں کیا ہو۔ مثلاً ہم (ہم) پہولی (پھولی) پہلجھری (پھلجھڑی) بہونہ (بھوں)

۸۔ گاف پر ہمیشہ ایک ہی مرکز لگایا ہو۔

۹۔ ٹ۔ ڈ۔ ڑ کو ہمیشہ ت۔ د۔ ر لکھا ہو۔

۱۰۔ ہے کی جگہ بعض دفعہ بدل دی ہو مثلاً باہمن (بامن)۔

کتہرانی (کھترانی) پہنچی (پہنچی)

(۱۱) مخلوط ہے گو بعض جگہ حذف کردیا ہے مثلاً سکی (سکھی)۔ اندیاری (اندھیاری) انکیاں (انکھیاں) تماری (تھاری) تک (رکھ) سات (ساتھ) ہات (ہاتھ) دود (دودھ) سُدبُد (سُدھ بُدھ) تجکو (تجھ کو) مجکو (مجھ کو)

(۱۲) نون غنہ پر ہمیشہ نقطہ لگایا ہے۔

(۱۳) ہوتی ہیں کو ایک دو جگہ ہوتیں ہیں اور پڑتے ہیں کو ایک جگہ پڑتیں ہیں لکھا ہے۔

(۱۴) علامت فاعل نے کو ایک دو جگہ نین لکھا ہے۔

(۱۵) آؤ، بلاؤ، بھلاؤ، کو آوو، بلاوو، بھلاوو لکھا ہے۔

(۱۶) ایک جگہ دنوں کو دنو اور ایک جگہ پاؤں پانوو لکھا ہے۔

(۱۷) پہچان کو پچان اور پہچانا کو پچھانا لکھا ہے۔

(۱۸) کو اور کون (کوں) دونوں استعمال کیے ہیں۔ دو جگہ کوں لکھنے کے بعد نون کو چھیل دیا ہے مگر اس کا نشان باقی رہ گیا ہے۔ ایک جگہ تو کو توں اور ایک جگہ تلے کو تلیں لکھا ہے۔

(۱۹) جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے ان میں امالہ کرنے کے موقعوں پر کبھی ہے کو یے سے بدل دیا ہے اور کبھی نہیں بدلا ہے۔

(۲۰) اک کو کبھی ایک اور کبھی یک لکھا ہے۔

(۲۱) بعض لفظوں کو کئی کئی طرح لکھا ہے مثلاً مکہ، مُکہ، مکھہ (مکھ) موہ، موہہ، مونہہ، مونہہ (منھ) مہرخاں، مہرخاں۔

(۲۲) منبر، سنبل، عنبر وغیرہ کے قیاس پر ہندی لفظوں میں میم کی جگہ نون بہی لکھا ہے۔ مثلاً تنبو (تمبو)، بنبہ (بمبا)

۲۳- چمپا کو چنپا اور برمھا کو برنبھا لکھا ہے۔

۲۴- حروف معنوی کو اکثر ان کے متعلقہ الفاظ سے ملا کر لکھا ہے مثلاً
نرہ (نہ رہ) دلکو (دل کو) جیکو (جی کو) نکریں (نہ کریں) غمسوں (غم سوں)
بیوقر (بے وقر) مجسا (مجھ سا) ہینے (ہیں نے) نمارو (نہ مارو)

۲۵- کہیں کہیں لفظوں کے بے موقع ٹکڑے کر دیے ہیں۔ مثلاً
بن تا ہے (بنتا ہے) لٹک تا ہے (لٹکتا ہے) مٹک تا ہے (مٹکتا ہے) نہ ہیں
(نہیں) چھڑک تی ہیں (چھڑکتی ہیں) کل کلا تی ہیں (کلکلاتی ہیں) کھل بلی
(کھلبلی)۔

۲۶- کاف اور لام کا جوڑ رسمے سے اس طرح ملایا ہے کہ
کہیں دارے بن گئی ہے مثلاً پکہرا (پکڑا) لہری (لڑی)۔

۲۷- موزونیت کی ضرورت سے جہاں لفظوں کے تلفظ میں فرق
کر دیا گیا ہے وہاں بھی رسم خط اصل تلفظ کے مطابق رکھا ہے۔ مثلاً نہیں
فع کے وزن پر۔ سورج، اوپر فعل کے وزن پر۔ دیوانہ، فعولن کے
وزن پر۔ ایک فع کے وزن پر

رسم خط کی یہ بے قاعدگیاں بہ ظاہر چھوٹی چھوٹی سی معلوم ہوتی
ہیں۔ مگر یہی جب کئی کئی مل کر کسی لفظ یا فقرے میں آ جاتی ہیں تو اس کا
پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ذیل کی مثالوں سے اس دشواری کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
کاری = گاڑی ۔ بکار = بگاڑ۔ اب چہرا = اپچھرا۔ کور = گوڑ۔
باند = بھانڈ۔ کھڑا = گڑھا۔ اکہری = اگڑی۔ ادہتا = اوٹھا
پنکہت = پنگھٹ۔ آکی = آگے۔ توجہی = تجھے۔ کری = گڑی۔
رنبہا = رمبھا۔ نکنبود = نگمبود۔ دود پیریا = دودھ پیڑے۔

کرتی ہیں = گرتے ہیں ۔ کرتا ہوں = گڑھتا ہوں ۔ لاکے ہی = لاگے ہی ۔ کا کا کی = گا گا کے ۔ کالی ندی کہانی = گالی نروے گمانی ۔ یہ آخری مثال بہت پُرلطف ہی ۔ اب ایک مثال اس سے بھی زیادہ پرلطف پیش کی جاتی ہی جس سے واضح ہوجائے گا کہ دیوان فائز کا جو قلمی نسخہ میرے پیش نظر تھا اس کے بعض مقامات کا صحیح پڑھ لینا کتنا دشوار تھا ۔ وہ مثال یہ ہی "تن جدہارا کہ کل میں ست سیلی" = تن جڑھا راکھ گل میں شت سیلی (یعنی بدن پر راکھ مل کے اور گلے میں سیلی ڈال کے) ۔

رسم خط کی انھیں بے قاعدگیوں کا نتیجہ ہی کہ بعض لفظوں کے متعلق یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فائز کے زمانے میں اُن کا تلفظ کیا تھا اور بعض کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ فائز نے ان کو مذکر باندھا ہی یا موٴنث ۔ مجبوراً ان لفظوں کے تلفظ اور تذکیر و تانیث میں موجودہ زبان کا اتباع کیا گیا ہی ۔

ملحقاتِ مقدمہ

(اس کتاب کی تالیف و ترتیب اور کتابت و طباعت کے درمیان میں بہت سا وقت گزر گیا۔ اس اثنا میں مطالعہ جاری رہا اور کام کی باتیں معلوم ہوتی رہیں۔ اُن میں سے بیشتر کتاب کے مقدمے میں مناسب مقاموں پر درج کر دی گئیں۔ بقیہ یہاں لکھی جاتی ہیں۔ ہر بات کے شروع میں کتاب کے اُس صفحے اور سطر کا حوالہ دے دیا گیا ہے جس سے اُس کا تعلق ہے۔)

ص ۲۳ س ۹۔

حکیم الممالک اور مومن علی خاں دونوں حکیم محمد مومن شیرازی کے خطاب ہیں۔ اُس کا کچھ حال اُس کی غیر مطبوعہ عربی تصنیف خزانۃ الخیال سے یہاں لکھا جاتا ہے۔ حکیم نے اس کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ میں نے ۹ر شوال ۱۱۳۰ھ کو اس کی تصنیف سے فرصت پائی۔

حکیم محمد مومن بن حاجی محمد قاسم بن حاجی محمد ناصر بن حاجی محمد الجزائری نسلاً عرب تھا۔ مگر اُس کی پیدائش اور پرورش شیراز میں ہوئی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں وہ دکن آیا اور کچھ دن عسرت

میں بسر کیے۔ آخر چند اُمرا اُس کے حال پر مہربان ہو گئے، جن میں امیر شمس الدین علی اصفہانی مخاطب بہ مخلص خاں، امیر برہان الدین خراسانی مخاطب بہ فاضل خاں، امیر محمد مہدی اردستانی مخاطب بہ حکیم الملک اور حکیم محسن خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اِن لوگوں کی ہدایت کے مطابق محمد مومن نے ایک کتاب جس سے طب کے علاوہ حدیث، تفسیر اور حکمت سے واقفیت کا بھی اظہار ہوتا تھا جَنَّاتُ عَدن کے نام سے لکھ کر اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کی۔ بادشاہ نے وہ کتاب بہت پسند کی اور صدر الصدور نواب سیادت خاں بلخی کو دکھائی۔ اُس نے بھی اُس کی بہت تعریف کی۔ بادشاہ نے اُس کے صلے میں ایک چھوٹا سا منصب اور کچھ انعام مصنف کے لیے تجویز کیا اور اُس کو اپنے پوتے محمد معز الدین جہاندار شاہ ابن محمد معظّم قطب الدین بہادر شاہ کے ساتھ کر دیا۔ وہ شاہزادہ اُس پر بہت مہربان ہو گیا۔ کچھ دن بعد اورنگ زیب نے جہاندار شاہ کو ملتان اور سندھ وغیرہ کی حکومت دے کر دکن سے رخصت کر دیا۔ حکیم بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ ملتان کے قیام کا زمانہ بڑے عیش میں گزرا۔ کچھ مدت کے بعد خبر ملی کہ اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا ہے اور محمد معظم اُس کی جگہ تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ شاہزادہ جہاندار فوراً دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ دن خانہ جنگی ہوتی رہی۔ آخر محمد معظم بہادر شاہ تخت کے اور سب دعویداروں کو زیر کر کے ہندوستان کی سلطنت کا مالک بن گیا اور اپنے بیٹوں کو خاص کر جہاندار شاہ کو بڑے بڑے منصب اور انعام عطا کیے۔ کچھ زمانے کے بعد حکیم نے وطن جانے کی اجازت مانگی جو شاہزادے نے نہ دی اور اُس پر پہلے سے زیادہ مہربانی کرنے لگا۔ اُس نے بادشاہ سے بھی حکیم کا ذکر بہت تعریف کے ساتھ کر کے اُس کو دربار میں پہنچا دیا۔

حکیم نے اپنی تصنیف زہرۃ الحیاۃ الدنیا جو نظم و نثر پر مشتمل تھی پیش کی اور بادشاہ نے اس کو پسند کیا۔ ابھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ محمد معظم بہادر شاہ نے دنیا سے رحلت کی اور عنان سلطنت جہاندار شاہ کے ہاتھ میں آگئی۔

اُس نے حکیم پر بہت نوازشیں کیں اور اُس کو سہ ہزاری دو صد سوار کا منصب اور حکیم الممالک مومن علی خاں کا خطاب عطا کیا۔ اس کا ذکر حکیم نے اپنی تصنیف طیف الخیال میں کیا ہے۔ اب امرا میں اُس کا شمار ہونے لگا اور بادشاہ کا انتہائی تقرب حاصل ہو گیا۔ جب حکیم کے پاس بہت دولت جمع ہو گئی تو اُس نے وطن جانے کی خواہش کی۔ مگر بادشاہ نے اُس کی درخواست نامنظور کر دی اور اُس کو خوش رکھنے کے لیے انعام و اکرام میں اور اضافہ کر دیا۔ آخر حکیم نے وطن کو خیرباد کہہ کر ہندوستان میں قیام جاری رکھا۔

(خزانۃ الخیال کا قلمی نسخہ جو میرے سامنے ہے اُس میں بڑی تقطیع کے چار سو آٹھ صفحے اور ہر صفحے میں اٹھائیس سطریں ہیں۔ اُس کی کتابت رجب سنہ ۱۲۵۴ھ میں تمام ہوئی۔ کاتب کا نام محمد رضا ہے۔ خط خفی اور اچھا ہے)

ص ۳۵ س ۹۔

مآثر عالم گیری میں علی مردان خاں کے ایک اور بیٹے محمد علی بیگ کا ذکر ملتا ہے، جو جلوس عالم گیری کے چودھویں سال سنہ ۱۰۸۱ھ میں ایران سے آکر دربار شاہی میں باریاب ہوا اور اُس کو خلعت، شمشیر، مرصع خنجر، موتیوں کا مالا اور دس ہزار روپے نقد مرحمت ہوئے۔ پھر اُسی سال اُس کو دو ہزاری دو ہزار سوار کا منصب، علی قلی خاں کا خطاب، علم، نقارہ اور تیس ہزار طلائی اور نقرئی سکے عنایت ہوئے۔

صفحہ ۳۶ آخری سطر۔

مآثر الامرا میں ابراہیم خاں کے صرف دو بیٹوں یعقوب خاں اور
زبردست خاں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر مآثر عالمگیری میں اُس کے ایک اور
بیٹے فدائی خاں کا حال بھی ملتا ہے۔ جلوس عالمگیر کے تیسرے سال
۱۰۷۱ھ میں جب سلطان شجاع کے فرار کے بعد شاہزادہ محمد نے ندامت
کا اظہار کیا تو فدائی خاں مامور کیا گیا کہ اُس کو بادشاہ کے حضور میں لے آئے۔
بعد کو وہ اودھ، کابل اور بہار کا صوبہ دار رہا۔ جلوس عالمگیر کے ستائیسویں سال
۱۰۹۴ھ میں ابراہیم خاں نے اُس کو تبت کی مہم پر بھیجا اور اُس کے
حسن سعی سے اُس ملک کا کچھ حصہ فتح ہو کر شاہی مملکت میں شامل ہو گیا۔
اِس کے صلے میں ابراہیم خاں کے منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار پر
دو ہزار سوارِ دو اسپہ کا اضافہ کیا گیا اور خلعت خاصہ، خنجر مرصع،
پھول کٹارہ، سات ہزار روپے قیمت کا موتیوں کا مالا، عراقی گھوڑا مع
ساز طلائی دو صد مہری، پندرہ ہزار روپے کا ایک ہاتھی اور ایک کرور دام
نقد مرحمت ہوئے اور ایک شاہی فرمان کمال تحسین و آفرین پر مشتمل صادر ہوا۔
خود فدائی خاں ہفت صدی چہار صد سوار کے منصب سے ترقی پا کر ہزاری
ہفت صد سوار کے منصب پر سربلند ہوا اور خلعت خاصہ، شمشیر
زرنشان مع ساز مینا، عراقی گھوڑا مع ساز طلائی صد مہری اور گیارہ ہزار
روپے قیمت کا ہاتھی سرکار شاہنشاہی سے اُس کو عنایت ہوا۔ جلوس
عالمگیر کے چوالیسویں سال ۱۱۱۲ھ میں فدائی خاں ترہت اور دربھنگہ
کا فوجدار مقرر ہوا اور اُس کے منصب دو ہزار و پانصدی دو ہزار د
پانصد سوار پر پانصدی کا اضافہ بلا شرط کیا گیا۔

صفحہ ۳۷ س ۱۳۔

تذکرہ انیس العاشقین کے مؤلف کنور رتن سنگھ زخمی نے اور ان کے بعد تذکرہ صبح گلشن کے مؤلف نواب حسن علی خاں نے ایک زبردست خاں کا ذکر کیا ہے جو فدائی تخلص کرتا تھا اور اس کا یہ شعر نقل کیا ہے:۔

برنمی دارید تا بو تم چرا از کوے او
آنکہ خو کم ریختند کے بہر نماز آید بروں

پہلے مصنف نے زبردست خاں کو "از اولاد علی مردان خاں" اور دوسرے نے "نبیرہ علی مردان خاں" لکھا ہے۔ اس سے خیال ہو سکتا تھا کہ فائز کے والد زبردست خاں فارسی کے شاعر تھے اور فدائی تخلص کرتے تھے۔ مگر زخمی نے یہ بھی لکھا ہے:۔ "فقیر در ایام طفلی او را در لکھنؤ دیدہ بودم۔" زخمی نے یہ تذکرہ ۱۲۳۰ھ کے قریب لکھا اور وہ ۱۲۶۷ھ تک زندہ رہے۔ اگر اُن کی یاد نے غلطی نہیں کی ہے تو یہ زبردست خاں ہمارے زبردست خاں کا کوئی پوتا ہو سکتا ہے۔ دادا کا خطاب پوتے کو مل جانا اُس زمانے میں کوئی عجیب بات نہ تھی۔

صفحہ ۳۷ س ۱۷۔

فائز کی ایک بہن زبدۃ النسا تھیں۔ میں نے ائمۂ معصومین کی مدح میں فارسی نظموں کا ایک ضخیم مجموعہ دیکھا ہے، جس کا بہت بڑا حصہ اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اُس میں اُنھوں نے تین جگہ اپنا نام اس طرح لکھا ہے:۔

" زبدۃ النسا بنت زبردست خاں ابن ابراہیم خاں
روز پنجشنبہ "ہشتم سفر (کذا) در لکھنؤ" نوشتہ "

" ایں بحر طویل و ہردو مدح و رباعی را زبدۃ النسا بنت
زبردست خاں نوشتہ است ۔"

" ایں رباعیات را زبدۃ النسا بنت زبردست خاں
نوشتہ است ۔"

ص ۳۸ س ا۔

میرے کتب خانے میں ایک قلمی کتاب کے اٹھائیس ورق موجود ہیں ۔ شروع کے تین ورق اور آخر کا کچھ حصّہ غائب ہے ۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۴۸ھ میں لکھی گئی تھی ۔ اس میں محمد شاہی عہد کے امیر الامرا نواب صمصام الدولہ خان دوراں خان بہادر کے خاندان والوں کے مختصر حالات درج ہیں ۔ مصنّف کتاب بھی اسی خاندان کی ایک فرد تھا۔ اُس نے تین چار جگہ نواب صدر الدین محمد خاں کا ذکر کیا ہے ۔ دو جگہ کی متعلقہ عبارتیں نقل کی جاتی ہیں :۔

" نواب صدر الدین محمد خاں بہادر نبیرۂ نواب علی مردان
خاں کہ با صمصام الدولہ بہادر ربط محبت و دوستی
زیادہ از حد داشت ۔"

"نواب صدرالدین محمد خاں بہادر کہ شہرۂ علم و کمال و فضل و ہنر و لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی ایشان کالشمس فی نصف النہار بود"

یہ عبارتیں بتاتی ہیں کہ نواب صدرالدین محمد خاں (فائز) علم و فضل، ہنر و کمال میں شہرت رکھتے تھے اور ایک شگفتہ مزاج، لطیفہ گو اور بذلہ سنج شخص تھے۔ اُن میں اور نواب صمصام الدولہ میں بڑی دوستی اور بے حد محبت تھی۔

ص ۳۹ س ۲۔

امیرالامرا صمصام الدولہ خان دوران خاں خواجہ بہاءالدین نقشبند کی اولاد میں تھا۔ اُس کا نام خواجہ عاصم اور وطن اکبرآباد تھا۔ اُس کے تین بھائی تھے، دو بڑے خواجہ انور اور خواجہ جعفر اور ایک چھوٹا خواجہ مظفر۔ خواجہ انور نے بردوان کی طرف انتقال کیا۔ خواجہ جعفر نے درویشی اختیار کرلی۔ اُس کا بیٹا خواجہ باسط اپنے علم و اخلاق، زہد و ورع کے باعث مرجع خلائق تھا۔ پہلے دہلی میں مقیم تھا، بعد کو لکھنؤ چلا آیا اور یہیں کوئی ستتر برس کی عمر میں ۱۱۸۰ھ میں انتقال کیا۔ "شیخ مومنین باسط" سے سال وفات نکلتا ہے۔ اُس کا مزار لکھنؤ میں معالی خاں کی سرا کے قریب ایک بلند مقام پر تھا جو خواجہ باسط کا ٹیلا کہلانے لگا تھا۔ خواجہ مظفر نے قمقام الدولہ مظفر خاں کا خطاب حاصل کیا اور کچھ دن اجمیر کا صوبہ دار رہا۔ خواجہ عاصم ابتدا میں بہادر شاہ کے بیٹے شاہزادہ عظیم الشان کی سرکار میں نوکر تھا۔

جب وہ شاہزادہ قتل کر ڈالا گیا اور محمد معز الدین تخت نشین ہوا تو خواجہ عاصم نے بہار کا رُخ کیا اور محمد فرّخ سیر کی ملازمت حاصل کر لی۔ محمد معز الدین کے قتل ہو جانے کے بعد فرخ سیر کا تسلّط ہوا۔ خواجہ عاصم نے خوب ترقی کی اور صمصام الدولہ خان دوران بہادر کا خطاب پایا۔ جب امیرالامرا حسین علی خاں دکن کے بندوبست کے لیے جانے لگا تو اُس نے صمصام الدولہ کو اپنا نائب بنا کے شاہی دربار میں داخل کر دیا۔ حسین علی خاں کے قتل کے بعد محمد شاہ کی سرکار سے صمصام الدولہ کو میر بخشی کا عہدہ، امیرالاُمرا کا خطاب اور ہشت ہزاری منصب عطا کیا گیا۔

صمصام الدولہ خوش وضع خوش گفتار اور خوش اخلاق شخص تھا، علما و فضلا کی صحبت بہت پسند کرتا تھا۔ طبیعت موزوں تھی، کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ ایک دن وہ فرّخ سیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اُس وقت آئینہ دیکھ رہا تھا۔ صمصام الدولہ نے اپنا یہ مطلع پڑھا۔

سحر خورشید لرزاں بر سر کوے تو می آید
دلِ آئینہ را نازم کہ بر روے تو می آید

ایک دن صبح کے وقت مُلّا ساطع کشمیری صمصام الدولہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا۔ جب نواب کی سواری دروازے کے قریب پہنچی تو مُلّا نے اُس کے اِس مطلعے کے پہلے مصرعے کو تضمین کر کے یہ شعر بلند آواز سے پڑھا:-

بدرگاہت کہ آرد ساطع از ذرّہ کمتر را
سحر خورشید لرزاں بر سر کوے تو می آید

صمصام الدولہ خوش ہوا اور مُلّا کو دو ہزار روپے مرحمت کیے۔ مُلّا نے عرض کیا کہ میں نے بادشاہ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے اور شاہی ملازمت حاصل کرنے کا امیدوار ہوں۔ نواب نے اُسی دن مُلّا کو دربار میں پہنچا دیا۔ مُلّا نے قصیدہ پیش کیا جس کے صلے میں خلعت، خان کا خطاب، منصب، جاگیر اور کشمیر میں کوئی عہدہ اُس کو عنایت ہوا۔ نواب نے بھی مُلّا کو دو ہزار روپے مرحمت کیے۔

مُلّا ساطع کا شاگرد رافع کشمیری صمصام الدولہ کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنا یہ شعر پڑھا:-

کفم چو کاسۂ گرداب، ہمچناں خالیست
بہ آں محیطِ کرم گرچہ آشنا شدہ ام

نواب نے اِس شعر کے صلے میں ہزار روپے عنایت کیے۔

جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو محمد شاہ کی فوج نے دہلی سے آگے بڑھ کر اُس کا مقابلہ کیا۔ اِس جنگ میں صمصام الدولہ اور قمقام الدولہ دونوں بھائی قتل ہو گئے۔ صمصام الدولہ کے تین بیٹے مارے گئے اور ایک بیٹا عاشور خاں یا خواجہ عاشوری دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اُس نے بعد کو بہت ترقی کی۔ یہاں تک کہ عالمگیر ثانی کے عہد میں امیر الامرائی کے درجے تک پہنچ گیا۔

(صمصام الدولہ کے یہ حالات تاریخ مظفری، مآثر الامرا، خزانۂ عامرہ، مثنوی باستی اور ایک گمنام قلمی کتاب سے ماخوذ ہیں۔)

۴۴ ص ۱۸۰ -

شکار کی طرح شہسواری کا بھی فائز کو بہت شوق تھا اور گھوڑوں کے متعلق ہر طرح کی معلومات حاصل کرنے کی فکر رہتی تھی۔ اُنھوں نے اس موضوع پر تحفۃ الصدر کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ اس کے دیباچے میں کہتے ہیں :-

"در اوان حداثت سن و عنفوان شباب بنا بر اقتضاے سن اکثر مشغول بہ سیر و شکار بود، علی الخصوص بہ سواری اسپ کہ بہترین مرکوبات است قدرًا و منزلۃً۔ دوران اوقات با جمعے کہ مہارت در شناختن اسپ داشتند نکتۂ چند در ذات و صفات و عیب و ہنر آں تقریر می نمود۔ چوں ایں عاصی شوق زیادتے بہ آں داشت بعضے امور از آنہا استماع می نمود۔ تا آنکہ فرس نامۂ چند جمع نمود۔ و بعد مطالعۂ آنہا ...."

باغوں کی سیر اور باغبانی کے فن سے بھی فائز کو بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے اِس فن کی کتابیں پڑھی تھیں اور خود ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا نام زینت البساتین ہے۔ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

"در عنفوان شباب چون سیر گلستاں بسے مرغوب بود بخاطر قاصر خطور کرد کہ شمۂ از احوال اشجار و نجوم تحریر نماید۔ بناءً علیہ از روے کتب ایں فن

مثل شفا و منہاج و ذخیرہ و کناسس یرحنا و
عجائب المخلوقات و تقویم الصحۃ و اثار اخبار رشیدی
و کتب فلاحت انچہ مناسب دانست بقید تحریر
در آورد۔"

ص ۴۶ س ۱۴۔

فائز کو ہاتھی گھوڑے اور دوسرے سواری کے جانوروں سے خاص دلچسپی تھی اور اُن کے یہاں یہ جانور اچھی خاصی تعداد میں موجود رہتے تھے۔ اُن کی تصنیف تحفۃ الصدر میں جگہ جگہ اُن کا ذکر آیا ہے۔ ذیل میں اس کتاب کی متعلقہ عبارتوں کا آزاد ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اِن عبارتوں میں 'نواب صاحب' سے فائز کے والد نواب زبردست خاں مراد ہیں:۔

غفران منزلت ـــــ کا۔ نواب صاحب قبلہ کے طویلے
میں ایک کشمشی رنگ کا عراقی گھوڑا 'محبوب' نام
تھا۔ تیس سال کی عمر تھی۔ اکثر دانت ٹوٹ گئے تھے۔
گھاس نہیں کھا سکتا تھا۔ حلیہ کھاتا تھا۔ مگر تیزی
اور تندی میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ میں اُس کو محبوب پیر
کہتا تھا۔

جن دنوں میں بندہ نواب صاحب و قبلہ اجمیر میں
تشریف فرما تھے اُن کے رہنے سے ایک گھوڑا

چھوٹ گیا۔ اُس نے ایک شخص کا بازو اور دوسرے کا شانہ چبا ڈالا اور چند آدمیوں کو ادھ مرا کر دیا۔ نواب صاحب کو خبر کی گئی تو انھوں نے اُس کو مروا ڈالا۔

ایک دن غفران منزلت سرکارِ بندہ نواب صاحب ایک دریا سے گزر رہے تھے۔ ایک کمیت عراقی گھوڑا اُن کی سواری میں تھا۔ وہ دریا کے بیچ میں اکبارگی بیٹھ گیا۔ اُس کو نواب صاحب نے ذبح کروا دیا۔

بعض گھوڑے کسی عداوت کے سبب سے کسی خاص شخص کو سواری نہیں دیتے۔ چنانچہ میرے پاس ایک بہت خوب صورت صندلی ابلق ترکی گھوڑا تھا جو حسن رفتار میں بے نظیر تھا اور اس لیے مجھ کو اُس کی سواری بہت پسند تھی۔ ایک دن میرے ڈانٹنے سے وہ مجھ سے ناراض ہو گیا۔ اُس دن سے وہ بڑی مشکل سے بہت منت سماجت کے بعد مجھ کو سوار ہونے دیتا تھا۔ اور کسی کی سواری سے نہیں بگڑتا تھا۔

میں نے اِس دوا کی تعریف سرکارِ نواب غفران پناہ

کے آختہ بیگی محمد بیگ کی زبان سے بھی سنی اور
خود بھی کئی مرتبہ اِس کا تجربہ کیا۔ میں نے ایک گھوڑا
تین ہزار روپے کا خریدا تھا۔ اتفاق سے وہ ایک
ہفتے ہی کے بعد سخت بیمار ہو کر ہلاکت کے قریب
پہنچ گیا۔ آخر اِسی دوا سے اچھا ہوا۔

میں نے سات سو روپے کا ایک گھوڑا خریدا تھا۔ اِس رنگ
کا گھوڑا دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس پہ سُرخ، سیاہ، زرد،
سفید اور رنگ رنگ کے ہزار سے زیادہ گل پڑے
ہوئے تھے۔ ایسا رنگین اور خوش رنگ تھا کہ دارالخلافت
میں روزانہ اس کو دیکھنے کے لیے لوگ آیا کرتے تھے۔
جشن کے دن بادشاہ کے حضور میں نذر کر دیا اور قبول ہوا۔

خچر کے سب رنگوں میں [illegible] زیادہ سب سے
بہتر ہوتا ہے، اُس کے بعد نیلا۔ رضوان مکان سرکار
نواب صاحب و قبلہ نے ایک نیلے رنگ کا خچر
ڈیڑھ ہزار روپے کا خرید کر مجھے مرحمت فرمایا تھا۔ وہ
قد میں عراقی گھوڑے کے قریب [illegible] تھا
تھا۔ ہندوستان میں خچر کی [illegible] سمجھی جاتی ہے
اس لیے میں اُس پہ [illegible] ہوتا تھا۔

اونٹ کی لڑائی سے بہتر کوئی تماشا نہیں۔ وہ عجیب و غریب حرکتیں کرتا ہے۔ ہاتھی کی لڑائی سے بہتر ہوتی ہے۔ اُس کا فقط نام ہی نام ہے۔ میں نے کئی دفعہ دیکھی۔ کوئی خاص لُطف نہ آیا۔

سرکارِ عالی (نواب زبردست خاں) کے ہاتھیوں میں اکثر جو بڑے قد کے تھے وہ شیر سے لڑنے میں کوتاہی کرتے تھے اور جو میانہ اور چھوٹے قد کے تھے وہ بڑے بہادر تھے۔ ایک ہاتھی جو ابھی بچہ تھا شیر کا سر منھ میں لے کر چبا ڈالتا تھا اور اس طرح اُس کو مار ڈالتا تھا۔

ہاتھی کے سر کے بال، خاص کر ہتھنی کے، جتنے بڑے ہوں اُتنا ہی اچھا۔ سرکارِ عالی میں ایک ہتھنی تھی جس کے سر کے بال ڈیڑھ بالشت لمبے تھے۔ بڑی خوبصورت اور خوش رفتار تھی۔ سرکار نے وہ ہتھنی مجھے مرحمت فرما دی تھی۔

صـ۶۵ س ۱۱۔

شیخ علی حزیںؔ کے چار خط جو نواب صدرالدین محمد خان بہادر فائزؔ کے بیٹے اشرف الدولہ میرزا حسن علی خاں بہادر کے نام ملتے ہیں ان میں سے دو یقیناً لاہور سے بھیجے گئے تھے۔ اِن

خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اشرف الدولہ شاہی منصبدار تھے۔ ان میں اور شیخ حزیں میں قلبی ارتباط تھا۔ وہ اُن دنوں سخت پریشان تھے اور اُن کی پریشانی کا سبب شیخ کے لفظوں میں "شر مخاصمان"، "دون خصلتی ناکسان زمانہ" اور "سلوک ناہنجار اشرار نابکار" تھا۔ شیخ نے اُن کو اطمینان دلایا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کی خواہش کے مطابق میں نے آپ کے بارے میں حکیم الملک اور دوسرے معززین کو تاکیدی خطوط لکھ دیے ہیں۔ خدا نے چاہا تو میری زندگی میں آپ کو کوئی ملال اور تکلیف نہ پہنچے گی۔ آپ میرے پاس چلے آئیے، یہاں آپ کے آرام و آسایش کا انتظام کر دیا جائے گا۔ دوستوں کے وسیلے سے بادشاہ سے رخصت حاصل کر کے سفر کا سامان خاموشی کے ساتھ کیجیے تاکہ لوگوں کو پہلے سے اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ دو تین بہلوں پر اسباب رکھ کر اور پالکی پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ سفر کیجیے، اس لیے کہ ادھر کے راستے بہت خراب ہیں۔ شیخ نے اِس سفر کی ایک ضرورت بھی پیدا کر دی ہے اور لکھا ہے کہ میری بہن کی شادی درپیش ہے اور سب لوگ آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔

شیخ علی حزیں کے ایک خط میں، جس کے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا، یہ عبارت ملتی ہے :-

"سفارش اطفال سید نظام را در حضور سامی
بہ سید عماد الدین خاں صاحب حفظ نمودہ و سفارش
پسر صدر الدین محمد خاں را نیز نوشتہ بودم۔ از

خاطر شریف محو نہ گردد۔"

اِس عبارت سے تصدیق ہوتی ہے کہ شیخ نے اشرف الدولہ کے لیے بعض معزز لوگوں کو سفارشی خط لکھے تھے۔ اور پھر اُن کو تاکیداً یاددہانی بھی کی تھی۔

(رقعات حزیں کا جو مجموعہ میرے پیش نظر ہے وہ چھوٹی تقطیع کا ایک ضخیم قلمی نسخہ ہے جس کو پنڈت کنھیا لال کی استدعا پر بدری ناتھ نے نصف اکبرآباد میں اور نصف کانپور میں نقل کر کے ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ کو ختم کیا۔)
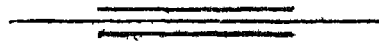
خطبۂ کلیات فائز دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لمن ابتدع نوع الانسان وکملہ واحسن خلقہ وانطق لسانہ وافصح مقالہ وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطیبین واصحابہ الراشدین ۔ اما بعد چنین گوید احوج عباد صدرالدین محمد بن زبردست خاں کہ در باب شعر گفتن علما را اختلاف است سبعے قائل انکہ جائز ہست ونزد برخے جائز نیست ۔ بنا علیہ شمہ از مقولۂ فریقین در خطبۂ این رسالہ مرقوم می شود ومذہب اولی اولی است چناں چہ از کلام ظاہر است ۔ وحسن وقبح شعر تعلق بعلم معانی وبیان دارد کمالا یخفی علی من لحظ ۔

بدان کہ علم معانی عبارت است از معرفت قاعدہ بہ تتبع خواص تراکیب کلام وانچہ متصل شود بدو از استحسان وغیرہ تا از خطا وقوف بداں از خطا ایمن باشند در تطبیق کلام بہ مقتضائے حال ۔ ومراد ایشان بہ تراکیب بلغاست و علم بدیع عبارت است از معرفت قوانینے کہ از آن جا فصاحت تراکیب معلوم کنند تا بداں محترز باشند از خطا در تطبیق کلام بہ مقتضائے حال وتبیین مراد وتزئین الفاظ یا ایراد انچہ قریب الفہم وغریب النظم وعذب الاستماع و عجیب الابتداع بود ۔ متقدمائے اہل عربیت میان این علم معانی وبیان فرق نکردند وہر سہ قسم را علم بدیع می گفتند بجہت اشتراک ایشان در معرفت قوانینے کہ بداں محترز باشند از خطا در تطبیق کلام بہ مقتضائے حال ۔ وبنا برین

میان فصاحت و بلاغت نیز فرق نہ کردند و ہر دو را از قبیل الفاظ مترادفہ قرار دادند۔ و جمعے از متاخرین مثل سراج الدین سکاکی وغیرہ علم معانی و بیان را از صناعت بلاغت نہادند و علم بدیع را از تتمات بلاغت۔ و بعضے دیگر علم بدیع را صناعت فصاحت گرفتند و معانی و بیان را صناعت بلاغت و مذہب اکثر ثقات کلام آنست کہ میان این علوم ثلثہ فرق ثابت، چہ میان بلاغت و فصاحت فرق است۔ بلاغت بہ معنی تعلق دارد و فصاحت بلفظ۔ و ازیں جاست کہ گویند معنیٌ بَلِیْغٌ و لفظٌ فَصِیْحٌ بدون عکس۔

در تواریخ آمدہ است کہ نخستیں کسے کہ شعر عربی گفت یعرب بن قحطان بود۔ و بعضے دیگر گفتند کسے کہ نخستیں بہ عربی شعر گفت غلجان بن ادہم بود کاتب ہود علی نبینا و علیہ السلام۔ و در تفاسیر آمدہ است کہ چوں قابیل ہابیل را کشت آدم علیہ السلام در مرثیہ ہابیل ایں ابیات انشا فرمود۔

تغیرت البلاد و من علیہا	فوجہ الارض مغبر قبیح
تغیر کل ذی لون وطعم	وقل بشاشۃ الوجہ الصبیح
فیا اسفی علی ہابیل ابنی	قتیل قد تضمنہ الضریح
وجاورنا عدو لیس یفنی	لعین لا یموت فنستریح

و زعم ایں طائفہ آنست کہ آدم بہ حکم وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّہَا بہ جمیع لغات عالم بود۔ و بعضے دیگر گفتند کہ ایں ابیات در اصل عربی نہ بود بعد ازاں بہ زبان عربی آوردند۔ در تفسیر معالم التنزیل و در کتاب کامل التواریخ و زین القصص ایں شعر را از آدم نقل کردہ اند لیکن صاحب کشاف اسناد شعر گفتن بآدم کذب دانستہ۔ و امام رازی در تفسیر کبیر گفتہ در صدق صاحب الکشاف۔ و نخستیں کسے کہ بپارسی شعر گفت بہرام گور بود سبب آں آنکہ بہرام در ایام صبی پیش نعمان بن منذر مالک یمن می بود و او را پیش خود بردہ۔

وعرب را عادت چناں بود کہ در وقائع حرب رجز انشا کردندے و خود را می ستودندے۔ بہرام طبعے موزوں داشت۔ چوں رجز ہائے عرب بسیار شنیدہ بود روزے ایں رجز بہ فارسی در مدح خود انشا کردہ:

منم آں پیل دمان منم آں شیر یلہ — نام من بہرام گور کنیتم بوجبلہ

و او را عرب بوجبلہ خواندندے جہت آں کہ ضخامتے داشت۔ و گویند وضع کنیت از عہد او پیدا شدہ۔ و سبب آں بود کہ چوں او بہ یمن می رفت ہر یکے از بزرگان پسر یا برادر خود را با او فرستادند۔ چوں بہرام باز آمد و آں جماعت پیش او آمدند بہرام ایشاں را نمی شناخت۔ چوں تعریف ہر یکے می کردند می گفتند ہذا ابو فلان و ذاک اخو فلان و بعد ازاں آں کنیتہا بر ایشاں بماند۔ و بعضے گویند اول شعر پارسی ابو حفص حکیم گفتہ کہ در صناعت موسیقی دستے تمام داشت و او در سنہ ثلثمائہ ہجری بودہ است و شعرے کہ بدو نسبت می کنند ایں است:۔

آہوے کوہی چگونہ در دشت زودا — یار ندارد بے یار چگونہ رودا

حاصل کہ دریں اختلاف است واللہ یعلم

فائدہ اندر آں کہ شعر گفتن رواست یا نہ

جمہور علما برآنند کہ شعرے کہ در آں تحمید و تنزیہ باری تعالیٰ باشد یا نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ یا غیرے سواء کان حیا او میتا بشرطے کہ راست بود یا نصائح و حکم باشد یا ہجو مشرکان جائز است۔ و آنچہ دال است بر صحت ایں قول چند وجہ است۔ اول آں کہ از کعب بن مالک روایت کردہ اند کہ او گفت کہ من با رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ گفتم " ان اللہ قد انزل

فی الشعر ما انزل" فقال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ " ان المومن یجاہد بسیفہ و لسانہ والذی نفسی بیدہ لکانما ترمونہم بہ نضح النصل " و ہم چنیں از براء بن عازب روایت است کہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ در حرب بنی قریظہ بہ حسان ابن ثابت گفت " اہج المشرکین فان جبرئیل معک " و از ام المومنین عائشہ روایت است کہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ در حق حسان فرمودہ -
"ان روح القدس لا یزال یویدک ما نافحت عن اللہ و رسولہ" و ہم چنیں نقل است کہ چوں حدیث روز غدیر کہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ فرمود .
" یا قوم الست اولیٰ بکم من انفسکم " و ایشاں گفتند " بلیٰ یا رسول اللہ "
رسول فرمود " من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ "
و بہ حسان بن ثابت رسید ان را بہ نظم آورد بریں وجہ

ینادیہم رسول اللہ یوم غدیر	بخم و اسمع بالرسول منادیا
فقال و من مولیکم و ولیکم	فقالوا ولم یبدوا ہناک التعادیا
الہک مولانا و انت ولینا	و لم تجد منا لک الیوم عاصیا
فقال اذن قم یا علی فاننی	رضیتک من بعدی اماما وہادیا
و من کنت مولاہ فہذا ولیہ	فکونوا لہ انصار صدق موالیا
ہناک اللہم وال ولیہ	وکن للذی عادی علیا معادیا

و چون این ابیات [illegible] بہ سمع رسول صلی اللہ علیہ و آلہ رسید
حسان را طلبید [illegible] فرمود " انت موید
بروح القدس [illegible] " و ہم آں کہ در کتب احادیث
از رسول صلی اللہ علیہ و آلہ [illegible] با قرینہ ارادت وزن
[illegible] رسول صلی اللہ علیہ

وآلہ در بعضے از غزوات مجروح شد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ فرمود

"ہل انت الا اصبع دمیت   وفی سبیل اللہ ما لقیت"

وایں از بحر رجز است - روایت است کہ روز جنگ حنین چوں مشرکان بر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ غلبہ کردند از استر برپیہ آمد و فرمود۔

"انا النبی لاکذب   انا ابن عبدالمطلب"

وایں از رجز مجزو است -

وجمعے گویند انشاد شعر جائز نیست و تمسک بایں بچند وجہ است۔ اول آں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ فرمود "الشعراء یتبعھم الغاوون"۔ دوم قولہ تعالیٰ "وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ" وجواب از اول آں است کہ مراد بداں شعراکسانے اند کہ شعر بباطل و مدح بدروغ گفتہ اند واز دوم آں کہ ضمیر منصوب در "علمناہ" عاید بقرآن است نہ بہ رسول - ومعنی ایں آیہ چنیں می شود کہ ما نیاموختیم و فرو نہ فرستادیم قرآن را بہ شعر، بہ دلیل آں کہ در عقب فرمود "ان ہو الا ذکر وقرآن مبین" لیکن ضمیر "علمناہ" را بہ قرآں عاید گرفتن دور از قاعدۂ عربیت است و برتقدیر تسلیم آیہ دلیل شود براں کہ رسول شاعر نہ باشد نہ آں کہ گفتن شعر یا خواندن آں مردیگرے را روا نیست۔

وبباید دانست کہ شعر خالی از مبالغہ نمی باشد ونزد جمعے مطلقاً ممدوح است چناں چہ گفتہ اند "خیر الکلام ما بولغ فیہ واحسن الشعر اکذبہ" وجمعے براں رفتہ اند کہ مبالغہ در کلام مطلقاً مردود است از جہت آں کہ کذب است وآں عقلاً مذموم وگفتہ اند "خیر الکلام ما اخرج مخرج الحق والصدق" ومؤید ایں آیات واحادیث نیز آوردہ اند یکے از آں ایں است کہ حق تعالیٰ می فرماید "انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون بالآخرۃ" ونیز فرمودہ "فاجتنبوا الرجس

من الاوثان واجتنبوا قول الزور" منع فرمود باری تعالیٰ جل شانہ از عبادت اصنام وکذب، واز حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ مروی است کہ فرمودہ اند کہ "لعن اللہ الکاذب" یعنی لعنت کرد خدا بر کاذب۔ وسعنی مبالغہ در کلام آن است کہ کسے وصف نماید چیزے را بروجہے کہ بہ حسب شدت وضعف بحد استحالہ یا استبعاد رسد۔ ومبالغہ را منحصر در سہ چیز دانستہ اند تبلیغ واغراق وغلو۔ اما تبلیغ آن ست کہ کسے وصف کند چیزے را بہ طریقے کہ عقلاً وعادۃً ممکن باشد مثلاً گوید۔

زدوری تو چناں زار وناتواں گشتم کہ ہر کہ دید گماں می برد کہ بیمارم

زیرا کہ از روئے عقل وعادت ممکن است کہ کسے از دوریٔ دوست بہ مرتبہ ضعیف وبے قوت شود کہ ہر کس اورا بیند تصور کند کہ مریض است۔ اما اغراق آن است کہ کسے وصف کند چیزے را بر نہجے کہ ممکن باشد عقلاً لا عادۃً، مثلاً در تعریف محاربہ گوید:۔

کمندہا ہمہ گردید جفت حبل ورید خدنگہا ہمہ شریان پردلاں بوسید

جفت شدن ہمہ کمندہا بہ حبل ورید ورسیدن ہمہ خدنگہا بہ شریان پردلان اگرچہ از روئے عقل ممکن است اما از روئے عادت ممتنع است۔ اما غلو آن است کہ کسے وصف نماید چیزے را بروشے کہ عقلاً وعادۃً ممتنع باشد مثلاً گوید

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پائے تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان نہد

وبرخے را عقیدہ آں کہ تبلیغ واغراق جائز است وقبیح نیست۔ لیکن ایں جماعۃ در غلو شرط کردہ اند وگفتہ اند ہر غلوے کہ در آن نوعے از تخییل حسن نہ باشد ویا نازل منزل ہزل نبود یا لفظے در وے نہ باشد کہ نزدیک بہ صحت گرداند۔ معنی را مردود است۔ مثالش این است:۔

ز سم ستوراں دراں پہن دشت
زمین شش شد و آسماں گشت ہشت

و این عقلاً و عادةً ممتنع است و از باب ہزل ہم نیست و قابل تعبیر و توجیہ ہم نہ۔ و قدامہ گفتہ است، اوصافے کہ بدان مدح کنند چہار است۔ اول عقل، علم و حیا و بیان و سیاست و کفایت و رزانت رائے و امثال آں در عقل داخل اند۔ دویم شجاعت، حمایت و دفع و کینہ خواستن و قہر بر دشمناں کردن و غلبہ بر ہمسراں و امثال آں در شجاعت داخل اند، سویم عفت، قناعت و قلت و مانند آں در عفت داخل اند۔ چہارم عدالت، سماحت و اجابت سائلاں و ضیافت و مانند آں در عدالت داخل اند۔ و ہر چند در مدح مبالغہ بیش تر نماید پسندیدہ تر بود و ازیں جا گفتہ اند" احسن الشعر اکذبہ" مگر وقتے کہ ممدوح را زیادت مرتبتے نبود، چہ دراں صورت اگر در مدح او مبالغہ رود و بر سفاہت حمل افتد و آں مدح عین ذم گردد۔ و میان مدح و شکر فرق است، چہ مدح وصف است بہ جلال و شکر صفت کردن است بہ فعال و حمد و ثنا بر زباں است بہ قصد تعظیم کہ در مقابل نعمت باشد یا غیر آں و شکر فعلے است کہ خبر دہندہ باشد از تعظیم منعم از جہت منعم بودن خواہ بہ زبان باشد خواہ بہ دل خواہ بار کان۔ و ہجو ضد مدح است پس چنداں کہ رذائل کہ اضداد فضائل اند در شعر بیش تر بیارند، ہجو قوی تر باشد۔

بداں کہ طبع سلیم و ذہن مستقیم کہ در اصل خلقت موزوں باشد شعر را بدون دانستن عروض و قافیہ تواند گفت و ممکن نیست کہ در وزن و بحر تفاوت کند۔ بنا بریں دریں عصر علم عروض و قافیہ متروک شد۔ اگر چہ گفتن شعر براں موقوف نیست لیکن دانستن آں برائے شاعر ضرور است۔ زیرا کہ تا عالم بہ قواعد آں نہ باشد

یکن کہ در بعضے امور خطا کنند۔ بہ نکات مرموزہ محسنات شعریہ و امورے کہ در شعر احتراز ازاں لازم است ایشاں غفلت ورزند۔ بدیں سبب نقصان بہ شعر او عاید گردد۔ دیگراں کہ از اصطلاحات آن فن اگر واقف نشوند در کلام قدما امورے مرموز بود آں را نہ فہمد۔ چہ اطلاع بر اصطلاحات ایں قوم بدون مطالعہ کتب عروض و قافیہ دست ندہد۔ بہر تقدیر عالم بودن بہتر است۔ و ایں فن بسطے زیاد دارد۔ و ایں ہیچ مداں آں قدر یا را نیست کہ تواند از عہدہ شرح و بسط آں برآید و دماغ ہم نہ دارد کہ صرف آں نماید۔ بالجملہ کلمہ چند مختصر از ہر باب کہ دانستن آں البتہ شاعر را ضرور باشد۔ در ایں اوراق بہ قید تحریر می آرد۔ امید کہ منظور نظر نکتہ سنجاں گردد۔

بداں کہ عروض میزانِ کلام منظوم است۔ چناں کہ نحو میزان کلام منثور است۔ و ایں علم را بہ جہت آں عروض خوانند کہ معروض علیہ شعر است یعنی شعر را براں عرض کنند تا موزون از غیر آں ظاہر گردد و مستقیم از نا مستقیم ممتاز شود۔ و بنائے اوزان عروض چوں بنائے اوزان لغت عرب بر فا و عین و لام نہادند تا تعریف متحرکات و سواکن آں بہ آسانی دست دہد و چناں کہ در لغت عرب گویند ضَرَبَ بروزن فَعَلَ و یَضْرِبُ بروزن یَفْعِلُ وَضَارِبٌ بروزن فَاعِلٌ و مَضْرُوبٌ بروزن مَفْعُولٌ در علم عروض گویند نگارینا بروزن مَفَاعِیْلُنْ و نازنینا بروزن فَاعِلَاتُنْ و دل دارِ من بروزن مُسْتَفْعِلُنْ۔ و نون تنوین در افاعیل عروضی بنویسند تا مکتوب و ملفوظ اوزان در حروف یکساں باشد۔ و اقل شعر مقدارے بود از کلام منظوم کہ شاعر چوں ازاں فارغ شود براں وقف کند و دیگر مثل آں اعادہ کند و حرف آخر آں را بجنس در ہر بیت مکرر گرداند و بیت در اصل لغت عرب خانہ باشد و اشتقاق بیت از تبیت است یعنی شب گزاشتن و خانہ را

از برائے این بیت خوانند کہ جائے شب گذاشتن است چہ مردم غالباً ملازمت خانہ بیش از آن برقت کنند کہ بیرون روند۔ و ہر بیت را دو نیمہ درست باشد کہ در متحرکات و سواکن بیکدیگر نزدیک باشد و ہر نیمہ را مصراع گویند، و در لغت عرب احد مصراعے الباب یک پارہ باشد از در دو لختے کہ ہر کدام جداگانہ فراز توان کرد بے دیگرے و چون ہر دو را فراز کنند یک در باشد۔ از بیت شعر بر ہر کدام مصراع کہ خواہد انشاد توان کرد بے دیگرے، و چون ہر دو بہم پیوندد یک بیت باشد۔ و نیز جہت تشبیہ بیت بہ خانہ آن است کہ چنان چہ خانہ ممتاز بہ حدود شود از خانہ ہائے دیگر، بیت شعر نیز بعروض و قافیہ و وزن ممتاز باشد از بیت دیگر و حرف آخر بیت را قافیہ نام کردند و سکون حرف آخر آن را لازم داشتہ اند تا کلام منظوم از منثور ممتاز باشد۔

و بباید دانست کہ عروضیان جزو اول را از مصراع اول صدر خوانند و جزو آخر این مصراع را عروض خوانند و جزو اول مصراع ثانی را ابتدا و جزو آخر آن را ضرب گویند و مابین صدر و عروض و ابتدا و ضرب آنچہ باشد آن را حشو بیت خوانند۔ و مراد از صدر و ابتدا آغاز مصراع است و جزو آخرین مصراع اول را از بہر آن عروض گویند کہ قوام بیت بہ دوست۔ و عروض چوبے باشد کہ خیمہ بدان قائم تواند بود، پس این جزو نیز در بیت ہم آن حکم دارد یعنی چنانکہ خیمہ بستون قائم است شعر بدین جزو قائم است۔ چون مصراع اول تمام شود معلوم شود این شعر چہ وزن دارد و از کدام بحر است، و جزو آخر مصراع ثانی را از بہر آن ضرب گویند کہ ضرب در کلام عرب نوع و مثل باشد و اواخر ابیات امثال یکدیگر باشد و بدین جزو معلوم شود کہ قافیہ از کدام نوع است از انواع قوافی، و ہم گفتہ اند کہ این جزو را ضرب بہ جہت آن نامند کہ قیام بیت

بدوست چناں چہ گویند ضرب الخیمہ و ضرب الخباء بہ فارسی گویند خیمہ زد و خرگاہ زد۔ جز بہ ضرب منفعت خیمہ و خرگاہ حاصل نمی شود ہم چنیں بے جزآخریں کلام منظوم را شعر نمی خوانند۔ و وجوہ دیگر ہم گفتہ اند کہ ذکر آں مناسب ایں مختصر نیست۔ و اجناس شعر را بحر بہ جہت آں گویند کہ بحر در لغت عرب بہ معنی شگافتن است دریا را نیز بحر بہ جہت آں گویند کہ زمین را شگافتہ است و ایں کہ گویند کہ فلانے بحر است در علم معنی آں باشد کہ توسعے دارد در فنون علوم، چوں دریا محل انواع مکونات متنوعہ است، ہر بحرے از بحور شعر نیز محل اشعار متنوعہ است بدیں جہت تشبیہ کردہ اند۔

و شعر در اصل لغت عرب دانش است و دریافتن معانی بہ فکر صائب و اندیشہ راست و از روئے اصطلاح سخنے است مرتب معنوی اندیشیدہ موزوں متکرر متساوی حروف آخریں آن بہ یک دیگر مانند۔ سخن مرتب معنوی گفتیم تا فرق باشد میان شعر و ہذیان و کلام نا مرتب بے معنی۔ و گفتیم موزوں تا فرق باشد میان نظم و کلام مرتب منثور۔ و گفتیم متکرر تا فرق شود میان بیتے تمام و میان یک مصراع۔ و اقل شعر یک بیت باشد و مصراع از شعر بود لیکن شعر نہ بود چناں یکے از دہ باشد لیکن دہ نہ باشد و گفتیم متساوی تا فرق باشد میان شعر و میان مصاریع مختلف کہ ہر یک از بحرے باشد و گفتیم حرف آخریں آں بیک دیگر ماند تا فرق شود در مقفی و غیر مقفی کہ سخن بے قافیہ را شعر نہ گویند۔ اگر چہ موزوں باشد۔ و سبب آں کہ کلام موزوں را شعر خوانند آن است کہ قاسم بن سلام بغدادی کہ یکے از ائمہ نحو و لغت و تاریخ است می گوید کہ یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کہ با سجاع سلے تمام داشت چناں چہ بالا ندکور شد کہ

کہ نخستین کسے کہ شعر عربی گفتہ او بود بہ حکم آں کہ در اثنائے اسا جیع عرب مصراعات موزوں می افتاد، یعرب بہ قوت فطنت آں را دریافت و میانِ موزوں و ناموزوں فرق کرد۔ حاضران چوں سخن موزوں ازو شنیدند و در تعجب شدند و گفتند کہ تا امروز ازتو چنیں سخن نشنیدہ ایم او گفت "ماشعرت بہ من نفسی قبل یومی ہذا" من نیز تا ایں وقت ایں جنس سخن از خود نیافتہ ام پس بہ سبب آں کہ او را بے سابقہ تعلیم و تعلم بہ کلامِ موزوں شعور افتاد آں را شعر خواندند و قائلِ آں را شاعر گفتند و اتفاق است کہ شعر عربی بر شعر فارسی مقدم بودہ است و شعر بیتے بود کہ دو مصراع تساوی دارد۔

واشتقاقِ قصیدہ از قصد است و آں توجہ و روے نہادن است بہ چیزے و جاے۔ و مقصود را از بہر آں مقصود گویند کہ مردم روئے دل بہ طلبِ تحصیلِ آں آوردہ باشند و قصیدہ فعیلے باشد بہ معنی مفعول یعنی مقصودِ شاعر است بایراد معانی مختلف و ذکر اوصاف مختلف از مدح و ہجا وغیرآں، و ہاء در آخر قصیدہ وحدت راست چناں چہ لیل شب است و لیلہ یک شب۔ قصیدہ را باید کہ دو مصراع مقفیٰ در مطلع بود و الا قطعہ خوانند ہرچند از بیست و سی بیت بگذرد۔ و باشد کہ دو مطلع یا زیادہ بود و بیت القصیدہ در اصل آن است کہ شاعر ابتدائے فکرے کند و مضمون آں را در بیتے بیارد ثانیاً بر ہمان وزنِ بیت قصیدہ بگوید۔ لیکن آں چہ متعارف است مابین شعرا آن است کہ بیت القصیدہ بہترین ابیات را می گویند و چوں ابیات مکرر شود از پانزدہ و شانزدہ بگذرد و بہ بیست رسد آں را قصیدہ خوانند و قافیہ کلمۂ آخرین بیت باشد بشرطے کہ بعینہا و معنا با در آخر ابیات دیگر متکرر نشود

گر شود قیود آں را ردیف خوانند - و قافیہ در ماقبل آں باشد چناں چہ

رخِ تو رونقِ قمر بشکست ۔ لبِ تو قیمتِ شکر بشکست ۔

چوں کلمۂ "بشکست" دریں شعر مکرر شدہ آں را ردیف گویند و قافیہ قمر و شکر است و قس علیٰ ہذا ۔ و قافیہ را از بہر آں قافیہ خوانند کہ پس اجزائے شعر در آید و بیت بدو تمام شود ۔ و اصل آں از قفوت فلاناً است یعنی از پس فلاں رفتم و قفیت فلاناً یعنی کس را پس فلاں روان ساختم ۔ و ایں کلمہ ہم پس رو آخر بیت است و بیت را مقفیٰ خوانند یعنی آں را قافیہ پدید کردہ ۔ بداں کہ در قافیہ گفتگو بسیار است کہ در کتب ایں فن مرقوم است ۔ پارہ از ہر باب کہ ضروری شاعر است مذکور می شود واللہ اعلم بدقائق الحقائق و حقائق الدقائق ۔ نزد بعضے قافیۂ سرم و قلم و قدم جائز است ۔ بجہت واحد بودن حرف آخر و مساوی بودن حرکت ماقبلش پس فاضل و کامل و حاصل و مائل و عاشق و صادق درست است ۔ و اگر حرکت ماقبل مخالف باشد مثل دود و دید و داد جائز نباشد ۔ و کلمات مختلف اللفظ والمعنی معاً جائز است چوں یار و کار و داد و شاد و مختلف اللفظ فقط ہم جائز بود چوں زبان و لسان و جان و روان ۔

بداں کہ حرف روی واجب التکرار است و قافیہ بے حرف روی متحقق نتواند شد و تواند بود کہ در قافیہ بغیر از حرف روی ہیچ حرفے از حروف قافیہ نباشد مثل شکن و سخن ۔ و چوں مدار قافیہ بر حرف روی است شعر را باں منسوب می کنند چناں چہ می گویند قصیدہ لامیہ و میمیہ و امثال ہا ۔ و کلمہ زریں و یاریں صلاحیت روی بودن ندارد لیکن چوں پیوند و زرینہ و یارینہ شود صلاحیت روی بودن دارد و ازیں قسم است نون کلمہ خنداں و گریاں کہ صلاحیت روی بودن ندارد لیکن چوں حرف دال با و ملحق گردد و بخنداند نگریاند شود روی بودن را شاید و در تعریفش رو ۔ گفتگو بسیار است کہ ایں جا

ذکرآن لائق نیست ۔

پوشیدہ نماند کہ ردف درلغت از پے درآمدن است و حرف ردف اگر چہ در تلفظ مقدم است بر روی اما در ملاحظہ متاخر است از وے زیرا کہ در قافیہ اولاً نظر بر روی است و بعدہ بر ردف و باقی حروف قلہذا مسمی شد بحرف بالردف ۔ اما بحسب اصطلاح در تعریف او اختلاف است ۔ و حرف ردف واجب التکرار است بعینہ با حرکت ماقبل و اختلاف آں جائز نیست ۔ شیخ سعدی قافیہ بحر و شہر کردہ آں پیش قدما جائز است جہت قرب مخرج انہا چناں چہ گفتہ :۔

چہ مصر و چہ شام و چہ بر و چہ بحر　　　ہمہ روستا لیست و شیراز شہر

لیکن از قبح خالی نیست ۔ و فردوسی نہی و وحی گفتہ ۔ و دو ہفتہ و نہفتہ ہم جائز است ۔ مولوی جامی گفتہ :۔

دو ہفتہ شد کہ ندیدم مہ دو ہفتہ خود را　　　کجا روم بہ کہ گویم غم نہفتہ خود را

بعضے طاقچہ و باغچہ ہم گفتہ اند و آں پر قبیح است و جمع یائے معروف با مجہول در قافیہ نیز پسندیدہ نیست و تقی بر رفت و قوافی سے نیست و نعبت و دولت ہم گفتہ اند ۔ حضرے و سفرے و شترے در قافیہ تیغ می تواں کرد بہ خلاف حضر و سفر و شتر ہم چنیں چاکرم و دو صدم جمع می تواں کرد بخلاف چاکر دو صد و دلیل ایں بیاں کردن دریں محل مناسب نیست و شیخ سعدی علیہ الرحمہ گفتہ :۔

غلام آبکش باید و خشت زن　　　بود بندۂ نازنیں مشت زن

و دیگرے گفتہ :۔

کسے کاں شوخ را سیم خانہ باشد　　　عجب باشد اگر شیدا نباشد

و در کتب عروض ایں را جائز داشتہ اند و دلیل براں گفتہ اند ۔ خواجہ حافظ گفتہ :۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا	ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

و صاحب گلشن راز گفتہ :۔

ہمہ دانند کیں کس در ہمہ عمر	نکردہ ہیچ قصد گفتن شعر

وایں خالی از قبح نیست ۔ و تورا باسو قافیہ نہ تواں کرد زیراکہ در فارسی داد تو ستلفظ نہ می شود مگر در بعضے اوقات و تواند بود کہ تمام مصراع سوائے کلمۂ اول ردیف باشد چناں چہ دریں شعر است ؎

جم است آں کہ بکف جام لالہ گوں دارد	کم است آں کہ بکف جام لالہ گوں دارد

سوائے کلمہ جم و کم تمام مصراع ردیف است ۔

نظر گاہے بسوئے دردمندے می تواں کردن

گزر گاہے بسوئے دردمندے می تواں کردن

و طور بضم طاء و طور بفتح طاء در یک شعر جمع کردن جائز نیست و بقابت قبیح است وایں قسم قافیہ را اقوا گویند چناں چہ ظہیر فاریابی زمرد را با تبرزد قافیہ نمودہ ۔ دوم اکفا کہ دو قافیہ در مخرج قرب داشتہ باشد چوں احتیاط و اعتماد چناں چہ شیرازی گفتہ :۔

یک کاسہ ہریسہ ہر صباحی	بہتر ز ہزار بادشاہی

وازیں قبیل است جمع کردن میان حروفے کہ مخصوص بلغت عجم اند چوں رگ و سگ با شک و حک، چپ با طرب و سراچہ با خواجہ و گرگ با ترک و اکفار ہم از عیوب است ، سوم سناد مانند زمیں و زماں را یک جا جمع کردن و دو دو دو دا را باہم آوردن در یک شعر عیب بزرگ است و نزد شعرائے عجم اصلاً جائز نیست ۔ چہارم الیطا مثل جمع کردن موجودات با ممکنات و کہسار با خاکسار و باغبان با پاسبان و خوباں با عاشقاں ، و زیراکہ در صورت

جمع قافیہ می تواند شد وآں جائز نیست کہ اصل آنہا بدون است ونون جمع قافیہ
نیست ۵ ایطا ہم از عیوب است ویاران ودوستان ولالہ ہا وغنچہ ہا وگفتن
وشنیدن وعاشقند وبے دلند از مقولۂ ایطائے جلی شمردہ اند و نیز قبیل آں است
قلمدان ونمکدان وباغبان ودربان وگلستان وخارستان و لعلے وبدے
وخلاصی وصافی ودلبران ومہوشان وروشن دلے وتلقلے ودستے ودردے
وسمرقندی وبخاری وآمدی ورفتی ومیکدہ وبتکدہ وبیامرزاد ومرزاد و
زرین وسیمین وچارمین وہمچنینہا ودوشیں وپارین وغمگیں واندوہگیں واین ایطا
جلی را در عرف شعرا شایگان گویند واز معائب قافیہ است و ایطائے خفی
مثلاً گلاب وآب ودانا وبینا پیش اکثر شعرا جائز است ۔ پنجم صرف مثل پدرش
وپرورش کہ یک جا فتحہ ویک جا کسرہ است چناں چہ ضمیری مطلق وعاشق را
قافیہ نمودہ این ہم از عیوب قافیہ است ششم لحن وآں آن است کہ وقت قافیہ
چیزے بیارند کہ در نثر نتواں آورد یعنی حرکتے یا سکونے دہند وتصرفے کنند
ہفتم لغو وآں عبارت است از آوردن قافیہ کہ آن را فائدہ نباشد الا آں کہ
بیت را مقفیٰ سازد ودرین ہفت قسم از جمیع شعرا از عیوب قوافی نمیداند
واللہ اعلم بالصواب ۔

ودر قوافی چنیں قافیہ ہا معیوب است اگرچہ شاعران گفتہ اند ۔

ہر روز برید مفتی وشاعر کہ او طوسی بود　　چوں نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

طوسی و فردوسی در قافیہ خوب نیست

از غصۂ ہجراں تو دل پردارم　　پیوستہ از آں دیدۂ پر نم دارم

پُردارم وتر دارم یک جا ضمہ و یک جا فتحہ خوب نمی شود وچو سعیک گفتہ

دریں زمانہ بجز نیست از تو تنہا تر

و قافیہ در مصراع ثانی مشتق ترآ وردہ تکرار در قافیہ کردہ ، ایں عیب بزرگ است
در یک بیت ۔ و دقیقی گفتہ :۔

چگونہ بلائی کہ پیوند تو | بوجہے بداست و بوجہے بتر
شبے روز کردم چگونہ شبے | بے از شب داج تاریک‌تر

و ہم او در جائے دیگر ستم گر و فسوں گر بستہ و در جائے دیگر بلا گستر و سخن گستر بستہ۔
روزہ داران و تاج داران ہم بو طاہر خاتونی بستہ و اینہا مذموم است ۔
و اکثرے از شعرا آب و گلاب ، و سازگار و کامگار و شاخسار و کوہسار ، و آبدار
و پایدار را معیوب شمردہ اند و جمعے جائز ندارند ۔ و انوری ، مشتری و ساحری
در قصیدۂ گفتہ :۔

ای مسلمانان فغان از دور چرخ چنبری | وز نفاقِ تیر و قصد ماہ و سیر مشتری
من نمی دانم کہ ایں نوع سخن را نام چیست | نہ نبوت می توانم گفتنش نہ ساحری

و انوری ستور و تنور ہم گفتہ :۔

ہر کہ نوا ند کہ فرشتہ شود | خیرہ چرا باشد دیو و ستور
چیست جہان نغز تنور اثیر | خود چہ تفرج بود اندر تنور

دیگرے سیب و قریب گفتہ ۔ ازیں قسم قوانی احتراز اولیٰ است و گفتہ اند کہ
نصل و نسل ، و فضل و عزل ، و زلت و عزت و ابرو خمر را جائز است جہت قرب
مخارج اینہا باہم ۔ چناں چہ فردوسی گفتہ :۔

چہ گفت آں خدا وند تنزیل و وحی | خدا وند امر و خدا وند نہی

حق المقدور نباید گفت ۔ اماں قافیہ شائگاں کہ از عیوب قافیہ شمردہ اند
در اصل شاہ گان بودہ است یعنی کارے کہ بہ حکم شاہ کنند و شائگاں آن را
گویند کہ الف و نون جمع در آں مستعمل باشد ۔ چناں چہ ازرقی گفتہ :۔

آں ہمام دولت عالی جمال دین حق آں فخار جمع شاہاں مفخر سلجوقیاں

وشائگان آن است کہ ازآں جنس بسیار تواں آورد لعنی مانند گنج شائگاں

است ازآں بسیار تواں برداشت و آں چند قسم است تفصیلش طول

دارد مناسب ایں مقام نیست - وقدما تکرار قافیہ در قصیدہ جائز نداشتہ

اند مگر قافیہ مصراع اول مطلع بشرطیکہ در مصراع دوم آن نہ باشد ودر ابیات

دیگر بود - لیکن متاخران تکرار قوافی جائز داشتہ اند ودر جمیع دیوان ہا ہم ہست -

ولے ایں قدر رعایت باید کرد کہ متصل ہم نیفتد بعد از سہ چار بیت بود ومضمون

آن مکرر بستہ نشود کہ یک قافیہ ویک مضمون مکرر لطف ندارد -

وغزل در اصل لغت حدیث زنان ووصف عشق بازی است بازناں گویند

رجلٌ غزِلٌ یعنی مرد عشق باز وسماع دوستداران چہ مشتمل باشد بر وصف زلف

وخال وشرح وصل ہجراں آں را غزل گویند - ونسیب غزلے باشد کہ علی الرسم

آں را مقدمہ مقصود خود سازد تا بہ سبب استماع احوال محب ومحبوب طبع

ممدوح بہ شنیدن آن رغبت نماید - تشبیب غزلے باشد کہ برحسب حال شاعر

بود چناں چہ اشعار شعرائے عرب مثل قیس وامثال او مشتمل است بر بیان

واقع کہ ہر یک عاشق زنے بودہ - ونسیب در اصل لغت صفت جمال

محبوب وشرح احوال عشق ومحبت است یقال نَسَبَ یُنْسِبُ نَسْباً از باب

ضَرَبَ یَضْرِبُ یعنی غزل گفت واحوال عاشق ومعشوق شرح داد - وبعضے

ازیں معنی فرق کردہ اند میان تشبیب وغزل گفتہ اند معنی نسیب ذکر شمائل است خَلق

وخُلق معشوق ، وغزل دوستی زنان ومیل دل بدیشاں وبجستن ترشہ ذکر جمال معشوق

ووصف احوال عشق را غزل گویند - وآں چہ در صفت شرح حال دیگر باشد

آں را نسیب نامند -

و رباعی کہ بنائے آں ہر دو بیت است و بیت اولین آں دو مصراع مقفیٰ باید و الا قطعہ شود و مخمس آں است کہ چہار مصراع بہ طریق مطلع بر یک وزن گفتہ شود و مصراع پنجم آں نیز بر ہماں قافیہ و وزن باشد لیکن دو طریق است گاہ مصراع پنجم بعینہ در ہمہ بندہا می آرند و گاہ مصراع مختلف در بندہا می آرند لیکن قافیہ بر یک وزن می باشد موافق بند اول و مربع ترکیب را چہار مصراع بدستور مخمس در یک وزن می باشد و بجائے بند کہ در مخمس است یک بیت می آرند بہ قوافی مختلف ۔ و ترکیب بند چند غزل می باشد ، ہمہ در وزن موافق و در قوافی مختلف ، و بندہا نیز در قافیہ مختلف ، و اگر بر یک قافیہ ہم باشد جائز است ، و اگر بیت بند بعینہ یکے باشد ترجیع بند گویند و تسمیط آں است کہ بنائے ابیات بر پنج مصراع متفق القوافی گذارد و مصراع ششم را قافیہ مخالف قافیہ اول آرد کہ بنائے شعر براں باشد و باشد کہ عدد مصاریع بیفزاید و بر ہشت مصراع و چہار مصراع می باشد و مزدوج را مثنوی نامند ، ہر بیت آں دو مصراع بود بر یک وزن ، و در قوافی ابیات مختلف ۔

و در جمیع اقسام شعر نظم باید بدیع بود و قوافی درست و معانی لطیف و الفاظ عذب و عبارت صاف یعنی در فہمیدن مشکل نہ شود و عبارات تکلف نہ باشد و از حروف زائد پاک بود و کلماتش صحیح ، و شاعر باید کہ طور و ترکیب نظم بشناسد در قوانین تشبیہات و فنون استعارات و محاورات و باخبر از تاریخ و نظم قدما باشد و کلام حکما را تتبع کردہ باشد و طبع سلیم جزالت الفاظ را از رکیک بشناسد و از تشبیہات کاذب و اشارات مجہول و ایہامات ناخوش و اوصاف غریب و استعارات بعید و محاورات نادرست و تکلفات نا مطبوع محترز باشد ، و از مالا یدرک کلہ و ما لا یعنی نیفزاید و

و ترکیب نظم استادان خوب غور بکند تا واقف راه و رسم گردد و از مصطلحات
باخبر باشد و بر دقائق آن اطلاع یابد تا او را ملکه پدید آید۔

و در قوافی اولی آن باشد که تعیین آن پیش مقدم نماید پس معنی را بآن
الحاق کند تا متمکن آید، و در جمیع اشعار ملاحظه کند تا الفاظ کمی نباشد و الا
عوض نماید و اگر معنی قاصر باشد تمام کند۔ و باید که در اسالیب کلام چون نسیب و
تشبیب و مدح و ذم و آفرین و نفرین و شکر و شکایت و قصه و حکایت و سوال و
جواب و عتاب و تواضع و تفاخر و مکابره صفت سپهر و انهار و گل و بلبل و عشق
و هجران از طریق علمای این فن عدول ننماید و خودپسندی را کار نفرماید۔

و باید دانست که باعتقاد فقیر در آل مدح هر دو مذموم است و معهذا
اگر شاعر در آن شروع کند این چند امر را رعایت نماید۔ اول آن که مدح در
خور ممدوح گوید مثلاً سلاطین را به لفظ خواجه و مهتر و آن چه دون مرتبه ایشان
بود یاد نه کند و امیر را ملک و سلطان نه گوید و علما را به علم و فضل و ورع مدح
کنند نه به شهامت و شجاعت، بر خلاف اهل شمشیر که ایشان را به تسلط و قهر و
شهامت ستودن اولی است۔ و در مدح مردان حسن و جمال را یاد نه کند مگر
در ضمن کمالات نفسانی مثل آن که گوید حسن صورت و نیکی سیرت هر دو دارد
چه حسن ظاهر بهترین صفات است و دلیل خوبی باطن چنان چه در حدیث وارد
شده "اطلبوا الخیر عند حسان الوجوه" پس پیداست که قبح منظر دلیل قبح
باطن است نعوذ بالله منها۔

اگر حنظل خوری از دست خوش خو | به از شیرینی از دست ترش رو
زشت رو البته می باشد شریر | قول [illegible]

و در مدحت خلفا و ملوک قدما وصف کردن به خوبی صورت چندان پسند

نہ کردند اگرچہ متعارف است زیراکہ سخاوت ملوک را ناگزیر است ، عالمے
از ایشاں بہرہ می برد و شجاعت لازم عسکر ایشاں بود۔ پس بہترین مدائح
ایشاں عدل است و ورع وکمالات نفسانی و دفع فتنہ وآبادی ممالک
از خوف وسیاست ایشان ۔ و بہ ہیچ حال چیزے کہ ممدوح بداں منسوب
یا متہم بود بہ تصریح وکنایت ایراد نہ کند۔ در مدح نسواں تعریف حسن وجود و
خلق نباید بلکہ عصمت وعفت اولیٰ است و ابتدائے قصیدہ باید بالفاظ
مسعود وہمایوں آراستہ باشد۔ و از الفاظ ومنحوسہ مثل نیست و نہ باشد و نہ بود
و دربود چہ فال خوش نہ دارند۔ وآں چہ از مدائح اقوی بود موخر دارد و مقطع را
سعی کند تا نہایت مطبوع و مشتمل بر غرض او باشد و لفظ آں فصیح و معنی بدیع
چہ قریب العہد بہ سمع استماع کنندہ آں بیت است ۔ لطف آں تا مدتے دریابد
و از خاطر نہ رود ۔ و از الفاظ مشترکہ در مدح وذم اجتناب کند و مثل لفظ سور کہ
شادی و ماتم ہر دو را آمدہ ۔

فقیر قریب پنجاہ دیوان از قدما و استاداں بہ مطالعہ در آوردہ احوال
ہر یک ومراتب کلام ایشاں سنجیدہ ۔ ہر کس در فن خود مہارتے دارد۔ قدما
در قصیدہ و مدح مہارت دارند ، سیما انوری وخاقانی وکمال اصفہانی۔ در
غزل و وصف حسن شعر ایشاں رتبہ نہ دارد وکم تر متوجہ آں شدہ اند۔ انوری
در مطلع قصاید ید بیضا دارد ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ مرد عارف وصاحب حال
است ۔ کلامش مرغوب وتمام از نصائح خالی نیست ملاحت وقبول عجیبے دارد و اہلی
شیرازی دریں فن استعداد ومہارت تمام دارد۔ تقی بلیانی شاعر زبردست
است ۔ و قدسی وکلیم وطالب آملی از متاخران سخن را بہ معراج بردہ اند و کلام
ظہوری در ساقی نامہ رتبہ بلند دارد ۔ زلالی در مثنوی ممتاز بود ولیکن غنیمت ہندی

پایه کسی نه دارد. وغنی کشمیری خوش سخن است. کلام عرفی عرفی است الاسماء تنزل من السماء
کلام خواجه حافظ قبول دارد. امیر خسرو شیرین سخن است. صائب در مثل بندی
نظیر نه دارد. اشرف کلامش شوخی تمام دارد. کلام هلالی از سوز خالی نیست.
عالی در هجو و مثنوی طرفه دستگاهی دارد. نظامی در خمسه داد سخن داده.
جامی هم در سبحه پاسه کسی ازو نه دارد. فردوسی طوسی در طرز خود یگانه است.
صاحب حمله حیدری عبارت صاف رنگین دارد. مولوی جلال الدین رومی
سخنش سراپا عرفان است. فهمیدن دارد. سخن فارسی قدیم است. حکیم سنائی
عارف است و کلامش مقبول. جلال اسیر بسیار نازک خیال است.
معز فطرت صاحب هنر است. فیضی کلامش بافیض است. طاهر وحید
درین فن وحید است. وقاسم گونابادی در شاهنامه خود سحر آفرینی کرده. و ناصر علی
در مثنوی خیلی تلاش بکار برده. و بیدل از پردلان این معرکه است. چه با مدح
و منقبت‌های رنگین دارد. شهیدا در خوش گوئی مشهور است. کلیمی ملک الشعرا
است. سلمان ساوجی بهتر این قوم است. خطا رنگین سخن است. [illegible] کلام
لطیف دارد. خالص خوش فکر است. آصفم از کیفیت خالی نیست. شاه نعمت الله
خوش خیال است. حاذق عبارت عجیب دارد. [illegible] [illegible] بهاست
[illegible] دارد. [illegible] [illegible] شوکت مضامین خوب دارد.
این [illegible] مرد [illegible] است [illegible] سوز دارد. شلیت سخن دلفریب دارد.
کلام [illegible] است. ظهیر فاریابی [illegible] است [illegible]
[illegible] [illegible] دارد [illegible]
[illegible] خود [illegible] که خود استاد است [illegible]
[illegible] رحمة الله علیهم اجمعین [illegible]

مدتہا مطالعہ کتب ہر یک نمودہ باشد، بر و پوشیدہ نخواہد بود۔
قدما اگرچہ استاد اند و واضع قوانین۔ متاخرین، رنگینی و نزاکت و نازک خیالی را بہ نہایت رسانیدہ اند الحال طور قدما متروک شدہ۔ و دریں عصر شعر تراشے چند ہم رسیدہ اند کہ باآں کہ خبرے از شعر و شاعری نہ دارند تختہ بر سر قدما می زنند و قلم بر اشعار متاخراں می کشند

چہ تواں کرد مردماں این اند

خلاصۂ سخن این است کہ چوں موزوں و ناموزوں را نہ فہمیدہ اند و از بحر و قافیہ خبرے نہ دارند ایراد بر ہمہ کس می گیرند گاہے شعرے را ناموزوں قرار می دہند و گاہے قافیہ را نادرست می دانند و جائے بہ سکتہ معترض می شوند و حال آں کہ ہمہ بے جا است چند شعر انوری از ائمہ این فن است و از استادان مرقوم دریں خطبہ می شوند۔ بہ جہت این است کہ چنیں بحر و اوزاں را دریں وقت نباید گفت، کہ ایں قسم نافہمان در ہر محفل ہدف تیر ملامت می کنند و حال آں کہ ایں ہا ہمہ شعر استادان است، موافق علم عروض بہ تقطیع درست، اگرچہ لطفے نہ دارد لیکن ناموزوں نیست، چناں چہ نافہماں تصور می کنند۔ ازیں جہت احتراز ازیں اوزان اولی است کہ با ابلہان مشت و درفش نباید شد۔ انوری دریں زمین ہا قصائد غرا دارد۔

انوری

بر و زکس عنکبوت جور ہرگز   کے تند تا ہست عدل یار غارت

تا ملک جہان را مدار باشد   فرمان دہ آن شہریار باشد

خون در جگر یزدلان بجوشد — گر رستم و اسفندیار باشد
چون کوکب جاہ تو بجنبد — مریخ درویک سوار باشد

بے سابقہ وحی جبرئیل — اسرار وجودش ہمہ یقین

ای تیغ تو ملک عجم گرفتہ — انصاف تو جاے ستم گرفتہ
درنام خدا و رسول نامت — ترکیب حروف درقم گرفتہ

ای بردہ ز شاہان سبق شاہی — با تو ہمہ در راہ ہوا خواہی
ہم فتح ترا بر عدو افزونی — ہم وہم ترا از عدم آگاہی

اجرام ز رشک پایۂ قدرت — پوشیدہ لباس ہاے سیمابی
ز آسیب تو از فلک فرو ریزند — انجم چو کبوتران مطرابی

ای رفتہ بفرخی و فیروزی — باز آمدہ در زمان بہروزی

ای بندۂ روے تو خداوندان — دیوانہ کوے تو خردمندان

سوگند مخور کہ من ترا دانم — امشب سر ناز در بیداری

درہمہ نام ہات نامستی — در ہمہ کارہات کارستی

تاتوانی حذر کن از منت | کان منت خلق کاہش جانست

پیراہن منت تو دوران را | تا حشر فرو گرفت پیراہن

تمیح تراز ہیں ہم گفتہ اند وطور قدما ہمین است

تا کے گریی زعشق وتا کے نالی | سود نہ دارد گریستن چہ سگالی

شکرک ازاں دو لبک تو | بہ چشیم اگر تو بلہ کنی

تا کے مارا درغم داری | تا کے برما آری خواری

چرا عجب نہ دارم از نگارمی | کہ بے گنہ برون نہ شد از کنارمی

چہ کنم صنما چو دلم ستدی | بہ کشم زتو ہر چہ کنی زہدی

بہ کارے چرا کوشی کزاں کار مر ترا | ہمی عاقبت خواہد رسیدن پشیمانی

بدیں عاشقی ہر کو دہد پند مرا | ہمی گوز بر گنبد فشاند ز ابلہی

نگارے کجا ہمتا بہ خوبی ندا نمش | چہ گوئی کرا باشد بہ عشقش صبوری

غالیہ زلفے وسمن عارضے　　سرو بالائے وزنجیر موئے

زندگانی تلخ کردی مرا　　زندگانی بے تو نا ید بکار

بر فردوس رضوان گر نہ رخسارت دلیل آتی　　مردم را سوئے نادیدہ دیدن کے سبیل ستی

از آدمیاں جسم چہ پری　　چون برگذری دل می بری

عاشق شدہ ام بر دلبرے شیا ئے　　شکر لبے بیبا برے حور خوارے
مستفعلن مستفعلن مفعولن　　مستفعلن مستفعلن مفعولن

بر من خستہ جان مکن ستم　　کایں دلم از پے تو شد جفت الم
مفتعلن مفاعلن مفاعلن　　مفتعلن مفاعلن مفاعلن

غالیہ زلفی و برخ　　سرخ تر از گل ندی
مفتعلن مفتعلن　　مفتعلن مفعولن

عاشق شدم بر ان بت ناسازگار　　صبرم دہاد در غم او کردگار
مفعول فاعلات مفاعیل فاع　　مفعول فاعلات مفاعیل فاع

مرا غم تو ای دوست از غمان برآورد　　مرا فراقت ای دوست از غم جان برآورد

سیہ چشم و سیہ زلف غلامے — نتیجہ کرد دلم را بہ سلامے

دلم ہنو ہست شاد — ترا زمن نیست یاد

چرا باز نیائی — عذابم چہ نمائی

سرو است براو ماہ منقش — ماہ است برد مشک معقد

من بے تو چنیں زار — تو از دور ہمی خندد

بیا جانا کجائی — چرا زی ما نیائی

ہمیشہ شادمان باش — بکام دوستان باش

تو جاوداں جواں باش — عدوت خاکسارا

نرکان نغز نیکو دیدار — چابک سوار شیریں کار

و موجب ناخوشی ایں اوزان اختلاف نظم اجزا ست و عدم تناسب ارکان۔ وگرنہ موافق عروض صحیح است کج طبعان کہ نظم از نثر شناسند کہ از وزن و بحر و قافیہ خبر نہ دارند۔ معہذا از غایت جہل است کہ خود را شعر فہم د

نکتہ سنج دانند" اولئک کالانعام بل ہم اضل"۔ ومعلوم باد کہ بحور عرب برخلاف اشعار فارسی است و دراکثر آن بحور شعر فارسی نتواں گفت، واگر بہ تکلف گفتہ شود نامطبوع بود۔ واز محسنات لفظی ومعنوی اکثر در شعر فارسی یافت می شود چناں چہ مذکور می گردد۔

بداں ارشدک اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ کمال شاعر موقوف بر صنائع شعریات کلمہ چہار دریں محل مرقوم می گردد۔ زیرا کہ ہر کس فی الجملہ طبع موزونے داشتہ باشد وشعر مہملے تواند گفت خود را شاعر علامہ می داند وحال آن کہ چنیں نیست"۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند" بلکہ استعداد در صنائع ظاہر می شود۔ وصنائع شعریہ بسیار است۔ انچہ عمدہ ومشکل تر است مذکور می شود۔ وفقیر در ہر صنعت شاے از خود می آرد۔ امید کہ منظور نظر نکتہ سنجاں سخن ور گردد۔ ومنہ التوفیق۔ اوّل از صنائع شعریہ صنعت تبئین است کہ آن را تفسیر نیز گویند وآں چناں است کہ شاعر لفظے چند ہم بر شمارد کہ ہر یک محتاج تبئین وتفصیل باشد ودر بیت یا مصراع دیگر آن را بہ ترتیب مذکور مبین گرداند۔ مثالش این است۔

عمر وجاہ وعیش وجیش ونصرت واقبال وبخت
دائما باشد بہ کامت اے وحید روزگار
عمر زائد جاہ وافر عیش دائم جیش بیش
نصرتت پیوستہ اقبالت بلند وبخت یار

دوئم لزوم مالا یلزم وآن چناں است کہ چیزے را در شعر لازم گیرد کہ ضرور نہ باشد۔ چناں چہ "مو" را دریں غزل لازم گرفتہ شد۔

غزل

موے زلفت بہ جہان سلسلۂ دام بلاست ہر سر موے تو اسباب پریشانیہا ست

بستۂ موئے دل آویز تو شہر ختن است — ہم چو موئے تو کجا گیسوئے خوبانِ ختاست

کم تر از موئے من آں ہیچ کمر را دیدم — گرہ موئے میانِ تو نہ دانم کہ کجاست

جان من خستۂ موئے سر زلفِ تو بود — در غمِ موئے تو ہر لحظہ دلم در سوداست

مثل مو در نظرت رو سیہ و بے قدرم — اعتبارم سر موئے نہ بود گو کہ چراست

ہم چو مو شد تنم از ہجر تو اے آفت ہوش — قدر موئے نہ بود پیش تو ما را پیداست

در غم موئے تو چون شانہ دلم شد صد چاک — موئے تو مہر دلِ عاشق بے چارہ بلاست

از خیالِ خم زلف تو چو موئی کاہسم — مو شگافم من و این فکرِ رسا از سوداست

ہر سر موئے تو در دل خلدم چوں پیکاں — یک سر مو بہ منت رحم نہ باشد چہ بلاست

من مضامین ہمہ پیچیدہ تراز مو دارم — مو شگافی کند آں را کہ چو من طبع رساست

ہم چو مو روئے سیہ می شودش در محشر — ہر کرا بغض سر مو بدل از آل عباست

فائز آں موئے میاں بستہ کمر بر قتلم
من کہ چوں موئے ضعیفم دگر ایں ظلم چراست

سوم صنعت حذف است یعنی التزام کردن کہ بعضے حروف در شعر نہ باشد
و از ہمہ مشکل تر حذف الف است۔ مثالش این است ؎

معدن عدل و بحر بخشش و جود — مخزنِ حلم و درج فضل و ہنر

حکم تو ہر طرف زمیں بگرفت — مہر و مہ بر در تو بستہ کمر

قدر ہر کس بہ پیش تو دیدم — بہ منت نیست ہیچ لطف و نظر

قصۂ جود کنم چو من تحریر — می شود دہر جملہ پر دفتر

چہارم صنعت تفصیل است و آں چناں است کہ شعر خالی از حروف شفوی بود کہ در وقت خواندن
آں لب بلب نہ رسد۔ مثالش این است

اے آں کہ نیست ہیچ کست در جہاں نظیر — در دہر ہیچ گل ز درخت نیست سرخ تر

ثانیت کس نه دیده دریں عصر و دیار دل دار، گل عذار، جهان گرد، کج نظر

پنجم صنعت توصیل است و آن چنان است که شعر مرکب از حروف شفوی بود و این باعتقاد فقیر ممتنع است زیرا که حروف شفوی منحصر است در با و فا و میم و واو و شعر مرکب به چهار حرف نمی تواند شد. و مثالے که از استادان دریں صنعت دیده شد، مرکب از حروف شفوی نه بود پس اگر تعریف چنیں کرده شود اولی است که صنعت توصیل عبارت از آن است که زبان در وقت خواندن آن حرکت نه کند و حروف شفوی ابتداے هر کلمه باشد، و اکثرے باشد۔ مثالش این است ؎

مه ما به ماے به مینا بده | به مینا به ماے مه ما بده
مه ما به ما باده باید بده | بده باده اے مه به ما باده ده

ششم صنعت منقطع و آن چنان است که جمیع حروف شعر جدا جدا نوشته شود، مثالش این است

از درد داغ دارم، زردم ز داغ داری
زاری ز درد دارم، دارم ز درد زاری

زرخ زرد را داغ آذر زدم | زدم داغ آذر رخ زرد را

زارم از درد و زردم از دوری | زرد و زارم ز دوری آن رو

زردم از دوری و دارم زاری | زارم از دوری و زردم زاری

دزدے از دزد درم را دزدد　　دزد داند دزد درم دزدِ درم

ایضاً مقطع مجرد

در دردِ دل آرامِ دل　　آرامِ دل در دردِ دل

مقطع موصل

داری دوائے درد من درآں رُخ ودادہ
بے تو خوشی ندیدیم باما تو گر خوشی بہ

ہشتم صنعت موصل است و آن چنان است کہ حروف شعر مرکب از دو حرف یا سہ حرف یا زیادہ بود۔ مثالش این است۔

موصل بہ دو حرف

ہر کہ گل بوے بریں موضع بدید　　شد چو من بے ہوشی جانش مزید

مونالے بہ من باید کہ باقی اندر پائے شب　　کہ من بدخو کن جانانہ ساقیِ گل فام

موصل معکوس

مئے کوثر بدستِ ساقیِ کوثر　　بدستِ ساقیِ کوثر مئے کوثر

معکوس موصل

خدِ تو نو گلِ طوبیٰ خطِ تو جامعِ خوبی　　خطِ تو جامعِ خوبی، خدِ تو نو گلِ طوبیٰ

موصل بہ سہ حرف

تیر ببر، تبر ببر، تیغ ببر، سپر ببر　　تیغ بخر، سپر بخر، تبر بخر، تیر بخر

کلہ شیر ہست مثل حجر　　تیر تیز می زنند بسر

چشم کجا، نظر کجا، مہر کجا، قمر کجا ‏ تیغ کجا، سپر کجا، قلب کجا، جگر کجا

ظلم مکن بتا بمن شہد لبت مفرح است ‏ ہیچ سخن نمی کنم غصہ عبث مکن بمن
عیب مکن مثل سخن چین بمن ‏ تلخ مکن عیش منم مست عشق

صنعت دیگر

در مصراعِ اول یک حرف مفرد و دو موصل است و در مصراعِ ثانی یک حرف موصل بہ سہ و دیگر موصل بہ چہار، چناں چہ مثالش این است ؎

ابراگر این وقت آمد آمدے چوں جان من ‏ مثل غنچہ جمع گشتے سحر مجلس من چنیں (؟)

ہشتم صنعت منقوطہ است و آن چنان است کہ شعر مرکب از حروف منقوطہ بود مثالش این است ؎

فی الہجو

جز زشغبے زشت نہ بینی بفن ‏ زشت فنے نیست بغیظ زغن

غبغب زشت خشن بزذقن ‏ بزذقن زشت خشن غبغبے

غبغبش چیں بچیں از شیب زنج ‏ چین بچین غبغبش زیش ذقن

شب نشین شب نشین شبے بنشین ‏ بنشین شب نشین شبے بنشین

بنشین پیش بز بزشتی زن ‏ زشتی زن چین بز پیش بنشین

تیغ زن بنیش بہ چین جبینا　　زغضب بنیش جبین چین چینا

جنبش چین جبین تیغ ببین　　تیغ زن بین زغضب چین جبین

بنشین بنشین پیش زن زشت نشینا　　بنشین غضب زشت زن زشت ببین

نہم صنعت مجرد است وآں عکس صنعت منقوط است یعنی حروف شعر مہملہ باشد مثالش این است ۔

حاکم مصلح کامل در دہر　　داور ملک دل اہل کمال
او محامد ہمہ دارد در دہر　　عدل را حکم دہد در ہمہ حال

ایضاً

سرور داد دہ اہل کمال　　علم او کام ہمہ دادہ مدام
در حلال او ہمہ دم حکم روا　　کردہ مسدود ہمہ کار حرام

ایضاً

عالم ماہر و علا مۂ عہد　　در ہمہ علم و عمل صدر امم
سکۂ عدل و کرم دارد او　　علم او در ہمۂ ملک علم

ایضاً

محمد اسم مطہر رسول کل امم　　کہ کردگار ورا کردہ سرور عالم
رسول عدل و را اسلام طاہر آوردہ　　کلام او ہمہ والا رسوم او محکم
اساس عدل علم کرد در ہمہ اصال　　مدام درد دل دہر را ہم او مرہم

دہم صنعت رقطا است ۔ حرفے منقوط و حرفے غیر منقوط ۔

کجا شوق و غمِ جانان کجا جانِ وفا بازم | کجا فرخ رسنے رندے کجا شوخ وفا بازم
می کند بانو غمزۂ جانا | غمزۂ شوخ می کند بانو

کلمۂ منقوط و کلمۂ غیر منقوط

زینتِ ملک تیغ او بینی | تیغ او زینتِ ممالک بین

یازدہم[۱۱] صنعت مغالطہ است و آں چناں باشد کہ چیزے را بہ چیزے تشبیہ کنند کہ در عرف عکس آن باشد و بنوعے توجیہ کنند کہ آن مغالطہ دفع شود۔
مثالش این است۔

جبینت مشابہ بود با ہلال | چو بدر است در دیدہ ابروے تو

جبینت ہلالے است گر دیدہ بدر | ہلال است آن بدر ابروے تو

دوازدہم[۱۲] صنعت اغراق در وصف ممدوح۔ مثالش این است کہ در تعریف اسپ گفتہ شد۔

ہنوزش خرید است ازاں بسے | بہایش دہد گر دو عالم کسے

سیزدہم[۱۳] صنعت تنسیق است و آں چنان است کہ اوصاف مختلفہ را بر یک نسق ادا نماید مثالش این است کہ در وصف جاموش گفتہ شد

بہ شوکت چو کوہ و بہ رفتن چو نیل
بہ قوت چو دیو و بہیکل چو پیل

چہاردہم[۱۴] صنعت ترصیع کہ چہار خانہ است کہ از دو طرف خواندہ شود۔
مثالش این است۔

برعارض	بےساختہ	برقع	مفگن
بےساختہ	جاناگذر	افگن	بچمن
برقع	افگن	زروئےخود	ای سمن
مفگن	بچمن	ای سمن	شوروفتن

آن مہ نگہ	ازپنجرہ	دارد	ہرسو
ازپنجرہ	داردبجہانے	نگہ	او
دارد	نگہ	اوپیشوہر	زشتی نکو
ہرسو	او	زشت ونکو	لب تہ بہو

پانزدہم صنعت تفویف است یعنی بنائے شعر بروسنے و لفظے شیریں، وعبارتے متین، وقوافی درست، وترکیبے لطیف، ومعانی ظاہر صاف گذارد تا در فہم نزدیک باشد ودر ادراک آن بہ فکر واندیشہ وامعان نظر احتیاج نیفتد کہ آن معیوب است واز استعارات بعیدہ ومحاورات شاذ وتشبیہات کاذب خالی باشد، واز تقدم وتاخر ناخوش آیندہ پاک وعبارت تمام ابیات یکساں باشد، والفاظ غریبہ وغیر مانوسہ نہ داشتہ باشد، چناں چہ دریں غزل است۔

غزل

گر سر زلف سیہ افشانی — جانِ یک خلق عدا بستانی

آنچہ از عشوہ توانی کردن — ہر چہ از غمزہ کنی بتوانی

چون بآلو نگہت بر سر جلوہ — کشورِ دل ز تو در ویرانی

بہتر از آنچہ کہ دانم ہستی — خوش تر از ہر چہ بگویم آنی

جلوہ ہر گہ کنی از ناز و ادا — زہرہ پیش تو نہد پیشانی

تا نظر بر رخِ صافت کردم — ہم چو آئینہ ام از حیرانی

یوسفِ عصرِ خود ای شوخ توئی — کہ مساوی بہ مہِ کنعانی

داغ دارم ز تو چون لاله بدل
خون دلم گشته زنا فرمائی

شانزدهم صنعت ترصیع است یعنی جواهر نشاندن که کلمات مسجع باشد و
الفاظ در وزن و حروف مساوی، چنانچه درین بیت است

ای منور ز روی تو اختر　　وی معطر ز موی تو عنبر

منور و معطر و روی و موی و اختر و عنبر مسجع است
هفتدهم تجنیس و آن اقسام است - یک قسم درین بیت نموده می شود -

در فراق تو ای غزال خطا　　می سرایم غزال نیک خط

غزال و غزال و خطا و خط تجنیس است از اقسام آن رد العجز علی الصدر است
یعنی کلمه که در آخر بیتی یا مصراعی آمده باشد در اول دیگری بیاید مثالش
این است -

خمارم نه رفته است از سر هنوز　　که تا دیده ام نرگس پر خمار

قرارم نه دادست در هجر تو　　شدم در فرقت چنین بیقرار

تجنیس مرکب که یک کلمه مفرد باشد و دیگری مرکب. مثالش این است.

نه شد مهر تابنده پیش رخت　　نه گردید تابنده [illegible]

دیگر تجنیس مزدوج که کلمات متجانس مترادف افتد. مثالش این است

یا بت مکار تا افتاد کار　　در دلم نار عارض گلنار

بلبل صفتم میان گلزار تو زار　　گردیده دلم ز چشم خونبار فگار

اشتقاق و آن نیز از اقسام تجنیس است یعنی دو لفظ متقارب در ترکیب و

عروت در شعر چہ باید ۔ مثالش این است :۔

نو اے نہ دارد اگر عاشق تو　　بود کار عاشق ہمیں بے نوائی

ہیجدہم ایہام یعنی بہ گمان افگندن وآں چناں باشد کہ لفظے دو معنین را بکار دارند ۔ مثالش این است ۔

زاہد بیا بہ میکدہ امشب مقام کن　　یک بار خود زیارت بیت الحرام کن

آصف ملک سلیمان جہاں خواہد شد　　ہر کہ چوں من بہ جہاں صاحب دیوان باشد

نوردہم توسیم وآن آن است کہ بنائے قافیہ بر حرفے گذارد کہ نام ممدوح یا آنچہ مقصود شاعر است ازاں ظاہر شود، مثالش این است

جان من عید بر تو میموں باد　　بر مراد تو چرخ گردوں باد

چوں غرض مبارک باد عید بود قافیہ بر لفظ میموں گذاشتہ شد، ایضاً بہ نام ممدوح قافیہ گذاشتہ شد

جان و دل ما بود فدائے محمد　　خلقت ما چوں شد از برائے محمد

بستم تلمیح وآں چنان است کہ لفظ اندک بر معانی بسیار دلالت کند مثالش این است :۔

نیست دیوان مرا زیور تذہیب روا　　سخن بندہ عروسے است کہ عریاں باشد

چون نہ گردد بند مرغ دل درد　　زلف او دام ست وخالش دانہ

بیست ویکم تنسیق الصفات وآن آن است کہ چند وصف مختلف پے ہم یک چیز را کنند ۔ مثالش این است

ماہ روئے سرو قدے غنچہ بو　　کج نگاہے ازو رنجے تند خو

واین از صنعت تبییر تفاوتے سہل دارد، بلکہ یکے است۔

بیست و دوم[22] مطابقہ است یعنی مقابلہ چیزے است بہ شکل آں مثالش این است ؎

غم زدہ دل شاد نہ گردد اگر تلخ کند شیرینیٔ عیش تو

درین جا غم و عیش و تلخ و شیریں متقابلان اند۔

بیست و سوم[23] تشبیہ یعنی چیزے را بہ چیزے مانند کردن۔ مثالش این است۔

اے جمالت شگفتہ در گل زار خرمی در رخت چو صبح بہار

شگفتگی جمال را بہ گل زار و خرمی رخ را بہ صبح بہار تشبیہ دادہ۔

دور رخت حلقہ رخط سیاہ ہالہ تو گوئی زدہ بر گرد ماہ۔

واقسام تشبیہ حصر نہ دارد۔ کما لایخفی۔

ومعائب شعر نیز بسیار است۔ قلیلے مناسب مقام مرقوم می گردد۔ اوّل[1] تخلیع آن است کہ بر بحور ثقیل و اوزانِ ناخوش شعر گوید۔ چناں چہ یکے از قدما گفتہ است ؎

اے بتِ من چرا ہمی سوزی مرا پس ہر دمے می زنیم بے گنہ

وسخافتِ این کلام ظاہر است۔ عدول[2] از جادۂ صواب یعنی شاعر برائے وزنِ شعر یا صحتِ قافیہ خطائے لفظی و معنوی جائز دارد بحکم "یجوز للشاعر مالایجوز لغیرہ" واین متمسکے قوی است لیکن دلیل عجز شاعر است۔ معہذا این امور در اشعار عرب جائز داشتہ اند نہ در کلام فرس۔ زیادت[3] کلام چناں چہ دریں مصرع گفتہ "نہ ہست اکنوں ونہ باشد ونہ بودہ است ہرگہز" لفظ ہرگز است کہ ہرگہز حدف یعنی کم کردن حرفے برائے دران شعر چناں چہ سعدی گفتہ۔

گر به تشریف قبولم به نوازی کلکم — ور به تازانهٔ قهرم بزنی شیطانم

لفظ تازیانه است ۔ تغییر الفاظ از منہج صواب چناں چه درین بیت است

ای میر بومحمد که همه محمدت همی — از کنیت تو خیزد و از خاندان تو

ابومحمد را بومحمد گفته است ۔ و از جمله متغیرات هنیز به معنی هنوز و غنویدن به معنی غنودن و شنویدن بجای شنیدن و خفتیدن و خسپیدن بجای خفتن و امثال این بسیار است "العاقل یکفیه الاشاره" مناقضه یعنی تناقض در شعر است که معنی دوم مخالف و منافی حرف اول باشد چناں چه درین شعر است ۔

هجران تو با مرگ برابر کنم ایراک — از مرگ بتر باشد هجران تو دانی

در مصراع اول هجران را با مرگ برابر کرده و در ثانی از آن بدتر گفته ۔ و تضمین هم معیوب است به این معنی که تمام معنی بیت اول به بیت دوم متعلق باشد ۔ مثالش این است ۔

دلبرے آتشین گل رخسار — بسکه شمع هر انجمن دیدم
هم چو پروانه ز آتش غیرت — چارهٔ خویش سوختن دیدم

معنی بیت اول بدون بیت ثانی معلوم نه می شود و تضمین به این معنی که مصراع یا بیت دیگرے را در کلام خود درج کند مذموم نیست بلکه محمود است و خطاے معنوی نیز معیوب است یعنی نه معنی شعر صحیح بهم رسد ۔ و آں را حصر نتواں کرد ۔ ترکیبات ناخوش و آن نیز قبیح است ۔ چناں چه درین شعر است

خرمن زمرغ گرسنه خالی کجا بود — ما مرغکان گرسنه ایم و تو خرمنی

لفظ "تو خرمنی" ممدوح را گفتن به غایت رکیک است ۔ بجهت ترکیبی زشت که در کلام است ۔ و مبالغه و غلو را هم قبیح شمرده اند ۔ چناں چه درین بیت است ۔

به تیر از چشم نابینا سپیده پاک بردارد — که نه دیده بیازارد نه نابینا خبر دارد

اگر نظر بہ آں کنیم کہ "احسن الشعر اکذبہ" ایں چرا قبیح بود۔ لیکن گفتہ اند تفصیل
مبالغہ و غلو منفصل بالا مرقوم شد۔ و ایں قسم مبالغہ البتہ مذموم بود بلکہ کفر است
چناں چہ انوری گفتہ۔

بزرگوارے کاندر کمال قدرت خویش   نہ ایزد است و چو ایزد بزرگ بے ہمتا

تجاوز اللہ عنہ۔ و اہلی شیرازی گفتہ "چون یوسف مصر عبد ماست باشد"
اہانت پیغمبر نمودن کفر است۔ بایستے چنین می گفت کہ تو یوسف عصر خودی یا
از و کم نہ در حسن۔ دیگر از عیوب شعر در اول قصیدہ و غزل و ابتدائے کلام الفاظ
منحوسہ متروکہ استعمال کردن است۔ چناں چہ بایں معنی بالا ایمائے شدہ
و دریں بیت ظاہر است:۔

اثر خواجہ نخواہم کہ بماند بہ جہاں   خواجہ خواہم کہ بماند بہ جہاں نہ اثرا

و ایں نہایت نامستحسن است و فقیر در صنائع شعر ہیچ مثال ہا از خود آوردہ۔
و در معائب کلام دیگراں جمع کردہ کہ مثال معیوب از خود گفتن لطفے نداشتہ۔
و باید دانست کہ ایں قسم خطا ہا ہمہ استادان مثل اوحد الدین انوری و افضل الدین
خاقانی و مصلح الدین سعدی و فردوسی و عنصری و رودکی و رشیدی و معزی
و ثنائی وغیرہم کردہ اند و در اشعار ایشاں ایں مقدمات ہست چون لازم
انسان سہو و خطا است از چنیں امور گزیر نیست علی الخصوص در وقتے کہ ملاءٔ
باشد و جہت وزن و قافیہ التزام چنیں امور کردہ می شود۔ و اللہ الہادی۔

بر ضمیر منیر نکتہ سنجان با فطانت و ذکا پوشیدہ نماند کہ باعث تصنیف
ایں کتاب آں بود کہ در عنفوان شباب حدتے در مزاج و شوخیے در طبیعت
بہ مرتبہ تمام بود معہذا گرفتاری دل و تعلق بہ خوبان طاقت گسل بود تا آں
گردید کہ اکثر در وصف حسن خوبان شعرے و غزلے طرح می شد رفتہ رفتہ

مجموعه گردیده - و این ہیچ مدان بہ کر بدستور شعرائے دیگر سعی و فکر برائے مضمون
نه کرده در خیابات شوق آن چه بخاطر می رسید بے توقف تحریر می نمود - چنانچه
اکثر در روزے صد و بیست و زیاده ازان که دماغ چاق می بود گفته می شد -
و چون اکثر مطالعه کتب اشعار استادان می نمود زمینے که خوش می آمد دران فکر
نظم می نمود بعد مدتے به ترغیب یکے از رفقا به ترتیب آن متفرقات متوجه شده
دیوان مرتب ساخت - و عجب دارم از صاحب کمالان که چرا به نظم حکایات
دروغ و اقاویل باطل پرداخته اند - چنانچه فردوسی در شاهنامه اکثر آنچه
نوشت کذب و بهتان است - مثل قصه سی مرغ که نام راہبے بود که زال را
پرورش داده - چه دروغ ها می نویسد که ہیچ ذوی العقول انگشت قبول بران
نه نهد - در جنگ اسفندیار می نویسد که چون رستم از جنگ اسفندیار روئین تن
عاجز شد و مجروح گشت پر سی مرغ بر آتش نهاد - او آمده علاج جراحت رستم نمود -
و چوب تیرے به او داد که تیر ساخته به آن اسفندیار را در چشم زده ہلاک ساخت -
و قس علی هذا - جنگ رستم و هفت خوان و کشتن دیو سفید و اکوان و غیره از قبیل
این است و نظامی در لیلی و مجنون بهتان و کذب ها بافته به آب و تاب تمام
این قصه را نظم نموده و جامی بدستور در قصه یوسف زلیخا مبالغه ها و کذب ها
بہم بافته - عزیز مصر که یکے از انبار داران حاکم مصر بود او را پادشاه گفته
و چه قدر در شوکت خسروانه او مبالغه کرده - حاصل سخن آن که شاهنامه و سکندرنامه
و لیلی و مجنون و خسرو شیرین و نل و دمن و غیرها اکثرش دروغ است - اگر یک
راست باشد ده دیگر کذب است - عاقل را چه ضرور که اوقات به نظم اقاویل
باطل صرف نماید و کلام خود را پیش عقلا بے قدر کند و جہال را به ضلالت افگند
که ایشان این امور را صدق می شمرند - اگر حق تعالی طبعے موزون بخشیده باشد

چرا سخن ہائے راست وحکایات صدق را نظم نہ باید کرد کہ بہ دروغ باید پرداخت،
وکلام را بلے رتبہ باید ساخت۔ درین باب صاحب حملۂ حیدری مستثنیٰ است۔
دوم آں کہ بمدائح مردم نہ پرداختہ کہ آں بوئے گدائی می دہد۔ والحق قدما درین
معنی لاعلاج بودہ اند۔ زیراکہ شعر بہ فرمودۂ ملوک می گفتند یا در مدائح ایشان
تا وسیلۂ تقرب گردد۔ علیٰ کلی التقدیر بریں مدح ایشان لازم می شد واین بے
بضاعت ازین ہردو شیوہ بری بود۔ زیرا کہ سوائے باقی بودن اثرے غرضے
و مطلبے نہ داشت۔ قابل مدح غیر ذات پادشاہ حقیقی دیگرے نیست یا مدح
ائمہ ہدیٰ کہ موجب ثواب حسنہ است۔ مثل خود را برائے غرض دنیوی ستودن
عندالعقل مستحسن نیست آرے ستودن خوباں ومبالغہ در وصف خط وخال ایشان
موجب ذکائے طبع وبینش اہل دل جائز است کہ اہل معنی وصاحبان سخن دراں
لاعلاج اند واز سخن سازی چارہ نہ دارند۔

در گلشن جان تو گل رنگین سخن است — نخل رطب معنی شیریں سخن است
ہم تاج کنوز دولت دین سخن است — آخر سخنے گفتہ اند [illegible] سخن است

"اللہ کنوز تحت العرش مفاتیحہا السنۃ الشعراء"

در صدر خطبہ ذکر یافت کہ در کلام مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابیات
موزوں یافتہ اند و از حضرت امیر المومنین علیہ السلام [illegible] دیوانے و شعر
موجود است، و آں چہ گفتہ اند کہ در کلام مصطفوی [illegible] الا قصد
مصاریع موزوں افتادہ حرفے سست [illegible] زیرا کہ [illegible]
در کلام الٰہی چہ خواہند گفت۔ حق تعالیٰ [illegible]
وبسہو صادر [illegible] افعال از خیار [illegible]
ونظم کلماتے کہ در قرآن موجود اند مثل [illegible]

ینفقوا" و "نصر من اللّٰہ وفتح قریب" و "ویرزقہ من حیث لا یحتسب" و "یلہ
ما فی السمٰوٰت والارض" و "ثم اقررتم وانتم تشہدون" و "ثم انتم ہٰؤلاء تقتلون"۔
پس ازین معلوم شد کہ بہ ارادہ حق سبحانہ وتعالیٰ جل شانہ قصد وزن نمودہ زیرا کہ
غفلت در علم علیم حکیم قدیم متصور نیست ۔ پس شعر را رتبہ و حالتے غریب
ازین جہت حاصل است ۔ بلکہ جمیع سابقہ شعر را از لوازم نشأہ ولایت دانستہ اند
و ازین است کہ از ائمہ اثنا عشر سلام اللّٰہ علیہم و صحابہ کبار و تابعین و اکثر
مجتہدین و عارفین و علمائے محققین و اولیاء و اصفیاء اشعار معروف و مشہور
است و در دیوان ہا مسطور و بر السنہ و افواہ مذکور ۔ و نشأہ آن بر اہل بصیرت
و عرفان ظاہر است ۔ چنانچہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین کاکی علیہ الرحمہ
بر این بیت کہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

قالب تہی کردہ و جان بہ جان آفرین سپردہ ۔ پس نشأہ این فن از عمدۂ
مراتب کمال است و از حالت تواجد این جماعت پیدا است "فہم من فہم"
و آنچہ در اخبار ذم آن واقع شدہ شعر شعرائے ایام جاہلیت است کہ
کلام ایشان باطل و غیر صواب بودہ ۔ و از دین و آئین بہرہ نہ داشتہ اند
و پوشیدہ نماند کہ بعضے مقدمات درین خطبہ بہ تکرار ذکر یافتہ ۔ باعث آن
بر صاحب بصیرت مخفی نخواہد بود کہ دران محل اظہار آن باعث فائدہ بودہ۔

مخفی نماند کہ این رسالہ در ابتدائے سن شباب چنانچہ مذکور شد مرقوم شدہ بود
و جملہ آن اشعار منشی داشتم کہ موافق طبع خود پارۂ انتخاب کردہ بود ۔ و از
وسے آن منتخب اکثر عزیزان نقول برداشتہ بودند و فقیر نظر بہ آن کہ رطب و
یابس در کلام می باشد ارادۂ نظر ثانی داشت ۔ لیکن تا پانزدہ سال

میسر نبود کہ اشغال دیگر درمیان می بود۔ بعد انقضاے ایں مدت در سنہ ۱۱۴۲ یک ہزار و یک صد و چہل و دو فرصتے اتفاق افتاد۔ نظرِ ثانی بہ آن مجموعہ کردم قریب یک سال دریں کار کشید۔ آنچہ بعقل ناقص رسید حتی المقدور حک و اصلاح و کم و زیاد کرد[؟] ایں رسالۂ کلیات بدیں تفصیل بر بیست و ہشت کتاب مرتب گردید۔

۱۔ خطبہ، ۲۔ قصائد، ۳۔ قطعات، ۴۔ غزلیات، ۵۔ رباعیات، ۶۔ مستزاد، ۷۔ مخمسات، ۸۔ ترجیع و ترکیب، ۹۔ ترکیبات، ۱۰۔ ترجیعات، ۱۱۔ مفردات، ۱۲۔ مراثی، ۱۳۔ بحر طویل، ۱۴۔ تسمیط، ۱۵۔ مثنویات بحر مثنوی مولوی روم، ۱۶۔ مثنویات بحر شاہ نامہ فردوسی، ۱۷۔ مثنویات بحر خسرو شیرین نظامی، ۱۸۔ مثنویات بحر لیلیٰ مجنون نظامی و جامی، ۱۹۔ مثنویات بحر حدیقۂ حکیم سنائی، ۲۰۔ مثنویات بحر مخزن اسرار نظامی، ۲۱۔ مثنویات بحر سبحۃ الابرار جامی، ۲۲۔ مثنویات بحرہائے مختلف سواے ہفت بحر مشہور، ۲۳۔ لطائف، ۲۴۔ ہجویات، ۲۵۔ غزلیات ریختہ، ۲۶۔ مثنویات ریختہ، ۲۷۔ ملمعات، ۲۸۔ خاتمہ و اکثر صنائع شعریہ در خطبہ تحریر یافتہ۔ اگر در عبارت نسخ تناقضے و اختلافے ظاہر شود ازیں جہت باید دانست، و معتبر ہمیں است کہ در نظر ثانی بحال ماند۔

چو شد مرقوم نظم دل فریبم	نظر کردم بہ ہر حرفش سراپا
ز سر تا پا بہ اصلاح اندر آمد	کہ تا نبود دراں یک حرف بیجا
براے ہدیۂ ارباب معنی	بود ایں نسخۂ مرغوب زیبا
شود آئینۂ اصحاب بینش	برد زنگ ملال از روے دلہا
کند روشن دلاں را زندہ ہر دم	بود جاں بخش چوں حرف مسیحا
شگفتہ ہم چو گل گردد ازاں دل	نگہ در وے کند چوں دیدہ بینا

طرب خیز است سہر بحر و زمینش ... ہمہ اقسام شورش روح افزا
سخن از خوبی او قاصر آمد ... نہ گنجد در سبوئے شبہ دریا
طلب کردم ز دل تاریخ ختمش ... بگفتا در جواہم کاسے معلا
در آں دم کو مرتب گشت چوں گل
ہزار و یک صد و چل بدرو بالا

امید از ناظران آن کہ سہو را اصلاح نمودہ از نکتہ گیری چشم بپوشند و بہ سخن مرغوب اکتفا نمودہ از غیر مرغوب درگذرند۔

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست ... در ید بیضا ہمہ انگشت ہا یک دست نیست

بر عیبم اگر نظر کنی نبود خوب ... اصلاح معائب از تو دارم مطلوب
عیب تو بود گر کنی از عیبم فاش ... معیوبم اگر من تو نہ باشی معیوب

وقد وفقت باتمام ہذہ الافکار الابکار الدقیق علی وجہ التدقیق والتحقیق عامداً لمن ہو المتعالی عن الردیف والمثل القافیۃ والشفیق ومصلیاً علی مطلع نظم دیوان النبوۃ ومقطع کلیات الرسالۃ صلوٰۃ دائمۃ کافیۃ وافیۃ مبارکۃ وعلی ردیفہ وابن عمہ ووصیہ والہ وعترتہ وعلی احبابہ وصحبہ وتبعہ یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا علیہم تسلیماً کثیراً۔

دیوانِ فائز

جان! ایّام[1] دلبری ہی یاد
سیرِ گل زار و مے خوری ہی یاد

دیکھنا نہیں سورج کوں نظراں بھر
جس کوں تجھ جامۂ زری ہی یاد

خوب پھولی تھی باغ میں نرگس
گلِ صد برگ و جعفری ہی یاد

وہ چراغاں وہ چاندنی کی رات
سیرِ بہت پھول و پھلجھڑی ہی یاد

وہ تماشا وہ کھیل ہولی کا
سب کے تن رختِ کیسری ہی یاد

ہو دِوانا جنگل میں کیوں نہ پھرے
جس کو وہ سایۂ پری اہی یاد

اہے سیہ مست! میری انکھیوں کی
لال بادل کی تجھ جھری ہی یاد؟!

جب تمن پاس فائز آیا تھا
بات کہنا بھی سرسری ہی یاد

اہی شوخ ترے سر پہ عجب چیرہ زری ہی
اور جامہ دو دامی[2] کا بسایا اگری ہی

دیکھا ہوں زلف و رخ کو ترے جب ستی سجن
مجھ کوں قرارِ غم ستی شام و سحر نہیں

تجھ عشق بیچ فائز شیدا خراب ہی
کچھ قتلِ بے گناہ سے تجکوں حذر نہیں

---

[1] ایّام: یہاں واحد کے طور پر استعمال کیا گیا ہی اور اس کے معنی ہیں 'زمانہ'

[2] دو دامی: (دیکھیے فرہنگ) یہ لفظ آتش نے بھی استعمال کیا ہی کہتے ہیں ؎

شکار اپنے ہما سے حسن کا شاید کہ کھیلے گا
پہنتا ہی مرا صیاد پیراہن دو دامی کا

خوباں کے بیچ جانا ممتاز ہے سراپا
انداز دلبری میں اعجاز ہے سراپا

پل پل مٹک کے دیکھے ڈگ ڈگ سیتی لٹک کے
وہ شوخ چھل چھبیلا طناز ہے سراپا

ترچھی نگاہ کرنا کترا کے[1] بات سننا
مجلس میں عاشقوں کی انداز ہے سراپا

نینوں میں اس کی جادو زلفاں میں اس کی پھاندا
دل کے شکار میں وہ شہباز ہے سراپا

غمزہ، نگہ، تغافل، انکیاں سیاہ چنچل
یارب نظر نہ لاگے انداز ہے سراپا

آنکھیاں

مجھ پاس کبھی وو قدِ شمشاد نہ آیا
اس گھر سے وو دل بر استاد نہ آیا

گلشن مری انکھیاں میں لگے گلخن دوزخ
جو سیر کو مجھ ساتھ پری زاد نہ آیا

ساجن آئی دیودن لی ہوا فکر میں آخر
وو دل بر جادو گر صیاد نہ آیا

آیا نہ ہمن پاس کیا (بھی) وعدہ خلافی
فائز کا کچھ احوال مگر یاد نہ آیا

زلف تیری ہوئی کمند مجھے
اس میں باندھا ہے بند بند مجھے

خاک سیتی سجن اٹھا کے کیا
عشق تیرے نے سر بلند مجھے

نہیں جگ بیچ اوراد دل پر
وصل بن تیرے سود مند مجھے

میں گرفتار ہوں ترے مکھ پر
جگ میں نہیں اور کچھ پسند مجھے

فائز اس طور سے ہوا ہے ملول
توں جلاتا ہے جیوں سپند مجھے

گل ترے مکھ کی فکر میں بیمار
جیو بلبل کا تجھ قدم پہ نثار

گل کوں اے شوخ مکھ ٹک دکھلا
کہ خزاں کر دکھا دے اس کوں بہار

---

[1] کترا کے = بچکا نہ بہ سے ۔ ہوکیا ؛ وار

مست ہے دل کوں ہر سحر لازم — نین تیرے بہت ہوے سرشار
اس گلی میں قدم کرم سوں دھر — کہ کروں ہر قدم پہ جیو نثار
مارتی مجھ کوں اے کماں ابرو — یہ پلک تیر دِ یہ نگہ تلوار
ہجر میں تیرے آہ کرتا ہے — دلِ عاشق نہیں ہے ٹک بے کار

کیا کرے تجھ سے پانی سوں فائز
سینہ غم سوں ہے تیرے آبلہ دار

ابرو نے ترے کھینچی کماں جور و جفا پر — قرباں کروں سو جیو ترے تیر ادا پر
یاقوت کو لاوے نہیں خاطر[1] میں کبھی وہ — جس کی نظر اے یار پڑے تیری حنا پر
کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ سالو — کیا زیب دیوے بسمہ[2] تیری سبز قبا پر

---

[1] خاطر میں نہ لانا = توجہ نہ کرنا، قدر نہ کرنا، بات نہ پوچھنا

[2] بسمہ (دیکھو فرہنگ)۔ اس لفظ کا تلفظ باسمہ اور بسمہ بھی ہے۔ فائز نے ایک فارسی مثنوی میں کہا ہے:-

باسمہ کار بود جبیں نکو — کہ نظر شیفتہ کردہ براو

اور اپنے ایک خط میں یہ فقرہ لکھا ہے "جامہ باسمہ دار"

فرہنگ آصفیہ میں اس لفظ بسمہ کے یہ معنی بتائے گئے ہیں: "ایک قسم کا چھپا ہوا کپڑا جو چاندی کے ورقوں اور چونے کی راکھ سے چھاپا جاتا ہے"

شاہ نصیر دہلوی کا ایک شعر ہے۔

اوڑھی ہے کیا نہیں تیرے رضائی سر پر
[illegible]

جو لوگ کپڑوں پر بسمہ کرتے تھے وہ بسمہ چی کہلاتے تھے۔

تجھ دام میں ای آہوے چیں بند ہی فائز
ہرگز نہیں اوس طائر اندیشہ خطا پر

تری بانکی نگہ پر دل فدا ہی ہراک غمزے اُپر جاں مبتلا ہی
چھیدتی سب کے دل کوں جیوں بادام کرتی تجھ پلک کام سوزن کا
شہر دلی میں ثانی اب نا ہیں فائز اس دل ربا سریجن کا

ای یار نصیحت کو اگر گوش کرے تو یہ طور و طریق اپنے فراموش کرے تو
دیوانے[1] سیانے ہوویں سب دیکھ تجھ انکھیاں اک چشم کی گردش ستی بے ہوش کرے تو
ای سرو چیاں آوے اگر میری بغل میں جنت کا چمن خانۂ آغوش کرے تو
حوراں نہ کریں خلد کے گلبن کا نظارا جب سیم بدن اپنے کو گل پوش کرے تو
اس فائز بے جا سے کی تب قدر پچھانے
اِک جام محبت کا اگر نوش کرے تو

تری گالی مجھ دل کو پیاری لگے دعا میری تجھ من میں بھاری[2] لگے
ندی قدر عاشق کی بوجھے سجن کسی ساتھ اگر تجھ کوں یاری لگے
بھلا دیوے دو عیش آرام سب جسے زلف سیں بے قراری لگے
نہیں تجھ سا اور شوخ ای من ہرن تری بات دل کوں شیاری لگے

---

[1] دیوانے سیانے ہوویں = جو سیانے ہیں وہ دیوانے ہو جائیں۔
[2] من میں بھاری لگے = دل پر گراں گزرتی ہی۔ ناگوار ہوتی ہی۔

بھواں تیری شمشیر زلفاں کمند — پلک تیری جیسے کٹاری لگے
جیوے سرو بازار دامن کا دیکھ — اگر گرد دامن کناری لگے
نہ جانوں تو مستی تھی کس بزم کا — نین تیری مجھ کوں خماری لگے

وہی قدر فائز کی جانے بہت
جسے عشق کا زخم کاری لگے

شور تیرا سبی کے در سر ہے — ذکر تیرا بہ شہر گھر گھر ہے
عاشقاں کا ہوا ہے دل غربال — ہر پلک تیری جیسے نشتر ہے
گڑ سیں میٹھا ہے بوسہ تجھ لب کا — اس جلیبی میں قند و شکر ہے
رحم تجھ کوں نہیں ہے کچھ مجھ پر — دل مگر تیرا سخت پتھر ہے
عشق کی آگ میں رہے دن رین — یار تیرا مگر سمندر ہے

شہ خوباں ہمیشہ فائز پر
رسم کر رحم یہ قلندر ہے

سجن مجھ پر بہت نامہرباں ہے — کہاں وو عاشقاں کا قدرداں ہے
کہوں احوال دل کا اس[1] کوں کیوں کر — بہت نازک مزاج و بدزباں ہے
مرا دل بند[2] ہے اس نازنیں پر — عجب اس خوش لقا میں ایک آں ہے
بھواں شمشیر ہیں دو زلف پھانسی — ہر اک پلک اس کی مانند سناں ہے

---

[1] اس کو یہ اس سے
[2] بند: رہتا گرفتار ہو، قید ہو، عشق میں مبتلا ہو۔

چندر سب بے وقر ہی اس بدر[1] آگے — صفا اس مکھ کی ہر اک پر عیاں ہی

سمجھتا ہی ترے اشعار فائز!

خدا کے فضل سوں وہ نکتہ داں ہی

مرا محبوب سب کا من ہرن ہی — نظر کر دیکھو وُو آہو نین ہی

نہیں اب جگ میں ویسا اور ساجن — مجھے صورت شناسی بیچ فن ہی

سبی دیوانے ہیں اُس مہ لقا کے — مگر وو دلربا جادو[2] نین ہی

مرے ویرانے دل میں آ پری رو — شکار آ کر کرو یہ کدلی بن[3] ہی

کرے رشکِ گلستاں دل کو فائز

مرا ساجن بہارِ انجمن ہی

یار میرا میانِ گلشن ہی — غنچہ خوں پھول تا بہ دامن ہی

دل لبھاتا ہی سب کا وہ ساجن — دل فریبی میں اس کو کیا فن ہی

تارے جیوں[4] دُر ہی جس کے حلقۂ گوش — وُو بنا گوشِ صبحِ روشن ہی

اُس نظارے سے سب شہید ہوئے — وُو نین کیا بلائے رہ زن ہی

---

[1] بدر آگے = بدر کے آگے

[2] جادو نین = جس کی آنکھ میں جادو ہو۔

[3] کدلی بن = کدلی کا جنگل۔ کدلی ایک درخت ہی جس کی لکڑی سے جہاز بنائے جاتے ہیں۔ کیلے کو بھی کدلی کہتے ہیں۔

[4] تارے جیوں [illegible] = تاروں کا سا

کیا بیاں کر سکوں میں گت اس کی
فائزا نت خوش ادا سریجن ہو

مرے دل بیچ نقشِ نازنیں ہے — مگر یہ دل نہیں یارو نگیں ہے
کمر پر تیری اس کا دل ہوا محو — ترا عاشق بہت باریک بیں ہے
جو کہیے اس کے حق میں کم ہے بے شک — پری ہے، حور ہے، روح الامیں ہے
غلام اس کے ہیں سارے اے سریجن — مگر یہ حسن کے کرسی نشیں ہے
مجھے ہے مو شگافی میں مہارت — جو نت دل محوِ خطِ عنبریں ہے

نظر کر لطف کی اے شاہِ خوباں
ترا فائز غلامِ کمتریں ہے

اے سجن وقتِ جاں گدازی ہے — موسمِ عیش و فصلِ بازی ہے
ان چکوروں[1] سے دور رہ اے چاند — قولِ[2] عشاق کا نمازی ہے

---

[1] چکوروں: یہ لفظ ذو معنیین ہے اگر اس کو چکور کی جمع [illegible] دیں تو اس محل پر اس سے عاشق مراد ہوں گے کیوں کہ چکور چاند کا عاشق سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر اس کو چکورا کی جمع مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے [illegible] لوگ اور رقیب مراد ہوں گے۔

[2] قول نمازی ہے: قول معتبر ہے۔ [illegible] میری نظر سے نہیں گزرا مگر فارسی محاورات و امثال اقوال وغیرہ کا ایک مجموعہ [illegible] قطب شاہ کے عہد میں مرتب ہوا تھا۔ [illegible] میں سخن اور قول کے معنی میں آتا ہے۔ [illegible] شکل ہے۔ جامع التمثیل کا ایک قلمی نسخہ [illegible] موجود ہے۔

اِس قلندر کی بات سہل نہ بوجھ — عشق کے فن میں فخرِ رازی[1] ہی
ہم قریں تجھ نہ کر رقیباں سوں — طور یاروں کی پاک بازی ہی
عاشقاں جان و دل گنواتے ہیں — یہ نہ طورِ زمانہ سازی ہی

فائز اس خوش ادا سریجن پاس[2]
بے گناہاں کا قتل بازی ہی

بے سبب ہم سے جدائی نہ کرو — مجھ سے عاشق سے برائی نہ کرو
خاکساراں کو نہ کر دیے پامال — جگ میں فرعون سی خدائی نہ کرو
بے گناہاں کوں نہ کر ڈالو قتل — آہ کوں تیرہوائی[3] نہ[4] کرو
ایک دل تم سے نہیں ہی راضی — جگ میں ہر ایک سوں برائی نہ کرو

محو ہی فائز شیدا تم پر
اس سے ہر لحظہ لکھائی نہ کرو

مکھ ترا صاف مثل درپن ہی — نین عقل و پراں کی رہزن ہی
دل کو ہنس ہنس لبھانے چھائی ہیں — دل بری میں تجھے عجب فن ہی

---

[1] فخرِ رازی = بہت بڑے عالم اور مصنف تھے۔ انھوں نے قرآن مجید کی ایک نہایت مبسوط تفسیر لکھی ہی جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہی۔ ان کا نام ابوعبداللہ محمد بن عمر اور لقب فخرالدین تھا۔ ایران کا قدیم شہر رَے ان کا وطن تھا۔ اسی کی نسبت سے رازی کہلاتے ہیں۔ انھوں نے سنہ ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔

[2] اس پاس = اس کے نزدیک۔ اس کے خیال میں۔

[3] تیرہوائی = وہ تیر جو بغیر نشانہ متعین کیے ہوئے پھینکا جائے۔

[4] نہ گرد = نہ سمجھو۔ نہ خیال کرو۔

لیلیٰ مجنوں کا ذکر سرد ہوا — اب تمھاری ہماری باری ہی

ملنا عاشق سوں ہی بہانے سوں — یہ نصیحت تمن ہماری ہی

مجھ کوں مت جانو یاد سوں غافل — رات دن دل کوں تو تمھاری ہی

دل بندھا[1] سخت تیری زلفاں پر
عقل فائز کی اُن لباری ہی

ای جاں شبِ ہجراں تیری سخت بڑی ہی
ہر پل مگر اس تن کی برمھا کی گھڑی[2] ہی[3]

ہر بال میں ہی میرا دل صاف گرفتار
کیا خوب تری زلف میں موتیاں کی لڑی ہی

نیلم کی جھلک دیتی ہی یاقوت میں گویا
سو تیرے لبِ لعل پہ مستی کی دھڑی ہی

تھے ذکر درازی کے تری ہجر کی شب کے
کیا پہنچی شتاب آکے تری عمر بڑی ہی

---

[1] دل بندھا = دل وابستہ ہوا ، لگا ، پھنسا ، گرفتار ہوا۔

[2] برمھا کی گھڑی = انسانوں کا ایک سال دیوتاؤں کا ایک دن اور دیوتاؤں کا ایک سال برمھا کا ایک دن ہوتا ہی اس لیے برمھا کی گھڑی سے بہت طویل مدت مراد ہوتی ہی۔

[3] فائز کا یہ مطلع پڑھ کر میر و سودا کے ہم عصر راغب دہلوی کا یہ مطلع یاد آجاتا ہی:-

تجھ بن یہ شبِ ای یار نپٹ ہم پہ کڑی ہی
ہر اس کی گھڑی روزِ قیامت سے بڑی ہی

سورج کا جلانے کوں جگر جیوں دل فائز
ای نار تو کیوں دھوپ میں سر کھول کھڑی ہے

ایک پل جانہ کہوں تین سوں ای نورِ بصر
تاک نہ ہو اس دلِ تاریک سوں ای بدر بدر

تیری اس صبح بناگوش و خطِ مشکیں سوں
سیر کرتا ہوں عجب شام و سحر شام و سحر

جل کے میں سرمہ ہوا بلکہ ہوا کاجل بھی
خانۂ چشم میں تجھ پاؤں جو ٹک راہ مگر

راہ داراں لیویں ہر گام میں جیو کا حاصل
ہے تو اس راہ میں ای عمرِ ابد جان کا خطر

قبلے سوں موںھ پھرایا ترے مکھ کی جانب
گیا زاہد نے تکے سوں سوے بت خانہ سفر

چاند سورج کی رکھ عینک کوں سدا پیر فلک
خم ہو کرتا ہے نظر تاکہ دیکھے تیری کمر

ای خوب رو فرشتہ سیر انجمن میں آ
سرو روانِ حسن ہمارے چمن میں آ

موںھ باندھ کر کلی سا نہ رہ میرے پاس تو
خنداں ہو کر کے گل کی صفت [illegible] میں آ

عشاق جاں بکف کھڑے ہیں تیرے [illegible]
[illegible] غارت جاں اپنے تن میں آ

دوری نہ کر کنار سوں میری [illegible]
[illegible] اپنے وطن میں آ

[illegible]

[illegible]

سلہ راہ دار [illegible]

[illegible] دوسرے [illegible] عشق کی [illegible]

[illegible]

سلہ سخن میں [illegible]

[illegible]

تجھ سا نہیں زلف و خط پری کا
یہ ناز ہے سحر سامری کا

کرناں کی بنا ہے نور رخ سوں
چیرا ہے جو سر پہ تجھ زری کا

سجن ہنس جب مجھے نظر کرے تو
ہے طور غریب پروری کا

اے چاند تجھ آگے عرقِ خجلت
ہر شام ہے مہر[1] خاوری کا

دوری نہ کرو ہمن سے اس حد
دل محو تمہاری دلبری کا

تجھ قد کوں بغل کرے تمنا
فائز کو خیال برتری کا

مستمنداں کو ستایا نہ کرو
بات کو ہم سے دُرایا نہ کرو

دل شکنجے[2] میں نہ ڈالو میرا
زلف کو گرہ بنایا نہ کرو

حسن بے ساختہ بھاتا ہے مجھے
سرمہ انکھیاں میں لگایا نہ کرو

تم سے مجھ دل کو بہت ہے امید
مجھ سے مسکیں کو کڑھایا نہ کرو

بیدلاں سوں نہ پھراوو مکھڑا
ہم سے تم آنکھ چُرایا نہ کرو

مخلص اپنے کو نہ مارو ناحق
حقِ اخلاص بھلایا نہ کرو

عشق میں فائز شیدا ممتاز
اس کوں سب ساتھ ملایا نہ کرو

---

[1] مہرِ خاوری کا = "مہرِ خاوری" کی فارسی ترکیب کا ترجمہ ہے کا یہاں اضافتِ توصیفی ہے۔ اردو میں صرف اضافت کا یہ استعمال اب متروک ہے۔

[2] شکنجے میں = الٹا۔ سخت تکلیف دینا۔ شکنجہ مجرموں کو سزا دینے کی ایک کل تھی جس میں ان کی ٹانگیں کس دی جاتی تھیں۔

چیری ہیں اس کی اُربسی[1] رمبھا[2] رادھکا[3] | پربھو نے دہرا بنائی نہیں ویسی دوسری
میں نے کہا کہ گھر چلے گی میرے ساتھ آج | کہنے لگی کہ ہم سوں نہ کر بات تو بُری
دھک جاکے اس کی بانہہ کو پکڑا میں ہاتھ سوں | کہہ بیٹھی جا دئی مارے[4] کرتا ہے مسخری
چوما لیا ادھر پہ اسے جب لگا کے گل | کہنے لگی مغل[5] یہی ریت ہے بُری

کم دیکھی فائز ایسی حسن میں میں ہندنی
بتیاں برکھ برکھ زغم او گھڑی گھڑی

(ریختہ کہ تضمین شدہ)

محو ہوں دریں سا تجھ پرای حبیب | شاكياً عن قسمتي مما يصيب
تیرے غم میں نین سے بہتا ہے جل | في البساتين نايحاً كالعندليب
عاشق مسکین کا جی ہے حزیں | تخرج ان لم ترحموني عن قريب
تجھ بنا ہرگز نہیں ہے دل کو چین | لا ارى شيئاً به قلبي يطيب
عاشقاں کا دل ہوا ہے چھید چھید | دائم المجروح من طعن الرقيب
عشق سے تیرے ہوا جس کو مرض | لا يداوي عنده هجرك الطبيب
شاعر رنگیں نہیں ہے مجھ سا اور | قلت شعراً رائقاً فكراً عجيب
فائز شیدا خدا کے فضل سوں | مستفيداً عن وصالك عن قريب

---

[1] اربسی } [2] رنبھا } اندر کے اکھاڑے کی اپسراؤں یا پریوں کے نام۔

[3] رادھکا = رادھا، کرشن کی محبوبہ جو ایک اہیر کی لڑکی تھی۔

[4] دئی مارا = خدا کا مارا ہوا۔ تجھ پر خدا کی مار۔

[5] مغل = ہندو عوام مسلمانوں کو ترک اور مغل کہتے تھے۔

جاگیر اگر بہت نہ ملی ہم کوں غم نہیں　　حاصل ہمارے ملکِ قناعت کا کم نہیں

اس ساتھ مہ رخاں کو نہیں کچھ برابری　　یوسف سے یہ نگار پری زاد کم نہیں

خوش صورتاں سے کیا کروں میں آشنائی اب　　مجھ کو تو ان دنوں میں میسر درم نہیں

دل[1] باندھتے نہیں ہیں ہمارے ملاپ پر　　مہ طلعتاں میں تجھ کو تو اب کچھ بھرم نہیں

ملتے ہو سب کے جا کے گھر اور ہم سوں ہو کنا　　کچھ ہم تو ان چکوروں سے ای ماہ کم نہیں

ظاہر کے دوست آتے نہیں کام وقت پر　　تلوار کاٹ کیا کرے جس کو جو دم نہیں

فائز کو بھایا مصرعِ یک[2] رنگ ای سجن
"گر تم ملوگے اُن ستی دیکھوگے ہم نہیں"

مخمّس

غم سے مجھرتا ہوں دلربا کی قسم　　دل میں کڑھتا ہوں مہ لقا کی قسم

درد رکھتا ہوں بے وفا کی قسم　　راست کہتا ہوں میں خدا کی قسم

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

نقش تیرا خیال ہے دل میں　　یاد کرتا ہوں تجھ کوں تل تل میں

میں دِوانہ ہوں تیری محفل میں　　مجھ سی حالت نہیں ہے بسمل میں

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

جب سے تو درس مجھ دکھا یا ہے　　لذتِ عشق کو چکھایا ہے

---

[1] دل باندھنا = دل پر رکھنا، پیچھا [illegible] کرنا، دل سے کوشش کرنا۔

[2] یک رنگ = [illegible]

غم نے دل کو نپٹ دُکھایا ہی   میرے جی کو بہت جلایا ہی
تجھ سر بجن کی خاک پا کی قسم

تجکو خوبی میں اب نہیں جوڑا   تیرے پیچھے سبی کو ہم چھوڑا
یک قلم مہرخاں سے منہ موڑا   تیرے غم بن سبی سے دل توڑا[1]
تجھ سر بجن کی خاک پا کی قسم

مہر سوں یاد کر تو جان مجھے   تیرے میٹھے بچن سوں شان مجھے
میں فدائی ہوں تو پچھان مجھے   تجھ بنا ناہیں کچھ دھیان مجھے
تجھ سر بجن کی خاک پا کی قسم

جب سے میں نے تجھے پچھانا ہی   دل تری فکر میں دِوانا ہی
یہ قلندر صفت نمانا ہی   تیرے دوارے پہ اس ٹھکانا ہی
تجھ سر بجن کی خاک پا کی قسم

دل گرفتار تجھ پری رو کا   سینہ زخمی ہی تیغ ابرو کا
نین کرتے ہیں کام جادو کا   دل کا پھاندا ہی پیچ گیسو کا
تجھ سر بجن کی خاک پا کی قسم

تیری دوری سے نالے کرتا ہوں   ہجر کے درد غم سوں مرتا ہوں
ہر نفس سرد سانس بھرتا ہوں   نام تیرے کا ورد کرتا ہوں
تجھ سر بجن کی خاک پا کی قسم

عاجز و خاکسار ہوں تیرا   اے سجن کچھ علاج کر میرا
کشور عشق میں ہی مجھ ڈیرا   غم کے لشکر نے آ کے دل گھیرا
تجھ سر بجن کی خاک پا کی قسم

---

[1] دل توڑا یعنی دل ہٹایا، قطع تعلق کیا۔

تیری دوری سے دل ہوا بیمار　　بے دماغی سوں ہوں بہت بیزار
تیری بن[1] فکر کچھ نہیں مجھ کار　　لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیَّار
تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

من سے تونے مجھے بھلایا ہے　　اس نمانے کو کیوں ستایا ہے
دل کوں میرے بہت دکھایا ہے　　ہجر میں تیرے سکھ نہ پایا ہے
تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

آگے تجھ غم سے سینہ خالی تھا　　مجھ کو ای لال شوق پالی تھا
بہ قلندر منش جلالی[2] تھا　　عاشق رند لاابالی تھا
تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

تیرے مکھ پاس چاند تارا ہے　　حسن تیرا تو جگ اجارا ہے
سارے خوباں سے تو نیارا ہے　　تیری انکھیاں نے مجھ کو مارا ہے
تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

محو ہوں میں جمال پر تیرے　　ہوں دِوانہ خیال پر تیرے
متحیر ہوں چال پر تیرے　　دل بندھا بال بال پر تیرے
تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

مور تجھ چال سوں ہوا ہے حیران　　قمری اس سروِ قد کے ہے قربان
سنبل اس رشکِ خط سوں ہے پیچاں　　درپن اس مکھ کو دیکھ کر حیراں
تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

---

[1] تیری بن فکر = تیری فکر کے سوا۔

[2] جلالی = صاحب جلال۔ جلال والا۔ درویشوں کا ایک سلسلہ جو سید جلال الدین بخاری سے منسوب ہے۔

جامہ زیبی میں تجھ کوں ثانی نہ | تیری خوبی میں نقش مانی نہ
تجھ بنا عیشِ زندگانی نہ | حاصلِ عمرِ جاودانی نہ

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

بن ترے دیکھے مجھ نہیں آرام | پیارے اس عشق کا ہی کیا انجام
تیری دوری کے غم سوں ای خودکام | سخت ہم پر گزرتے ہیں ایّام

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

خوب روئی میں تو مسلّم ہی | حسنِ یوسف سے کیا مگر کم ہی
تیرے مکھ پاس عقل ابکم ہی | جب تجھے دیکھوں عیش اُس دم ہی

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

حق نے خوبی میں تجھ فرید کیا | تیرے ابرو کوں ماہِ عید کیا
تیری انکھیاں نے دل شہید کیا | مجھ سا آزاد زرخرید کیا

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

فائزِ مستمند حیراں ہی | عاشقِ دردمند نالاں ہی
اس سے دوری نہ شرطِ ایماں ہی | تیرے غم سوں ہمیشہ گریاں ہی

تجھ سریجن کی خاکِ پا کی قسم

بحرِ طویل ریختہ

تو نازنیں رسیلا | تو ہے و فنا رنگیلا
تیری ادا نیاری | ایسی لٹک پیاری
انکھیاں ہیں تیری کھنجن | بنتا ہی تجھ کوں انجن

یہ بھو نہ تیری شمشیر گھائل آناں سے دل ویر (کذا)
ہی زلف دستہ سنبل اور ناگنی ہی کاکل
خط پر ہوں تیرے عاشق باتاں کا تیری شائق
تجھ چال میں بلا ہی ہر ڈگ میں کئی ادا ہی
باتاں تری رسیلی چھب ہی بہت سجیلی

ساجن ہی تو ہمارا

مجھ سا نہیں وفادار تیرا ہوں میں گرفتار
اوراں سے مجھ نہیں کام تجھ عشق میں ہوں بدنام
دل میں پریت تیری دیکھے سے ناہیں سیری
تجھ فکر میں دِوانا دوری سے دل نہ مانا
شیدا ترے حسن کا باندھا[1] ترے بچن کا

حیراں تری ادا پر والہ تری صدا پر
عالم ہی تجھ پہ مائل عاشق ہیں تجھ سے گھائل
دنیا میں ای سریجن تجھ سا نہیں ہی موہن

تو دل کا ہی پیارا

تو ماہ دلبری ہی تو مہر خاوری ہی
لیلیٰ ہی تیری باندی شیریں ہی تیری راندی
چندر سا مکھ ہی تیرا دل بند تجھ پہ میرا
ہم سوں نہ کر جدائی خوبی نہیں بُرائی
تجھ پر تو میں فدا ہوں اس غم میں مبتلا ہوں

---

[1] باندھا ترے بچن کا = تیری باتوں میں بندھا ہوا۔ تیری گفتگو کا عاشق۔

کینہ نہ راکھ من میں سختی نہ کر بچن میں
کر لطف و مہربانی گالی نہ دے گمانی
عالم ہی تجھ پہ حیراں تجھ غم سے سب پریشاں
خوباں سے تو نیارا

آ میرے پاس بیٹھم کر مجھ کو خود سے محرم
دوری نہ کر ہمن سے کر شاد دل بچن سے
ساجن نہ کر بلا میں مرتا ہوں تجھ ادا میں
تو سب کا آشنا ہی بے رحم بے وفا ہی
میں تجھ پہ مبتلا ہوں دروازے تجھ گدا ہوں
پھرتا ہوں غم سے حیراں ہی وصل میرا درماں
ہم سوں نہ راکھ کینا کر صاف اپنا سینا
مجنوں ہوا ہوں تجھ پر کیوں ظلم کرنا مجھ پر
ہی دل نہ سنگِ خارا

پیارے پریت سوں مل ہم کوں نہ راکھ بیدل
تجھ بن نہیں ہی مجھ چین کب کل پڑے ہی دن رین
تیرا ہوں میں دیوانا تجھ سا نہیں نمانا
میں سین نیری پائی وو آن دل کوں بھائی
تجھ سا کہاں سجن ہی گل سا جو تجھ بدن ہی
عاشق ہوں تجھ بری پر اس خطِ عنبریں پر
دلبر نہیں ہی تجھ سا عاشق کہاں ہی مجھ سا
تجھ کوں نہیں ہی ثانی پر حسن سے تو نے جانی
فائز کو کوں لبارا

مثنویاتِ ریختہ

مناجات

خدایا فضل کر تو بیکساں پر — کریما رحم کر تو عاجزاں پر

خدایا تو حقیقی پادشا ہے — مجازی پادشہ تیرا گدا ہے

قدیما، قادرا، پروردگارا — رحیما، عادلا، آمرزگارا

ہمن پر رحم کر اپنے کرم سے — کہ پیدا بی کیا تو نے عدم سے

نہیں ہم کوں وسیلا ورائے حق — سبھوں کا ہے توئی رازقِ مطلق

توہی جاں بخش سب دیو و پری کا — توہی لائق جہاں میں برتری کا

توئی روزی رساں ہے ای خداوند — نہیں تجھ کوں شریک اور مثل و مانند

نہیں تجھ کوں شریک ای ذاتِ بے چوں — ہے تجھ قدرت سے آب و ہاموں

کہ پیدا تجھ سے ہوئی عقلِ اوّل[1] — ملائک، چرخ، سموت، چاند، [illegible]

ستارے ثابت و سیار تجھ سے — فلک کی گردش و رفتار تجھ سے

کیے پیدا سبھی آبائے علوی — کہ ان بعد امہات آئی ہیں سفلی

جواہر اور عرض تجھ سے ہی پیدا — بنا بر مصلحت ہے نفس تیز

و صورت اور ہیولیٰ بی ہے تجھ سے — ہے یہ دن رین سب پیدا بی تجھ سے

رہے سب دن رین پیدائی تجھ سے

عناصر حکم سے تیرے ہیں برپا — تری قدرت سو دنیا ہے پیدا

ہوئی تجھ حکم سے پیدا نباتات — تری تسبیح میں جنگل کی سب پات

جواہر آفریدی ہور معادن — سبی انواعِ حیوان، آدمی، جن

---

[1] عقلِ اوّل = روح القدس - جبریل

بشر کوں تیں نے بخشی سرفرازی | سبھوں پر کرنے لاگا ترکتازی
سبن میں وو ضعیف و ناتواں ہے | ولے تجھ حکم سے وو حکمراں ہے
ہوا تجھ فضل سے جگ میں مکرّم | کیا تیں نے دِسے سب میں معظم
نبی اور اوصیا اور قطب[1] ، ابدال[2] | ہوے تجھ فضل سے دنیا میں کمال
نہیں تجھ کوں خدایا اور ثانی | تو اِس افلاک و انجم کا ہے بانی
سرافرازی تجھی سے سروراں کو | عطا نعمت تجھی سے رہبراں کو
نہیں نومید تجھ سے ایک موجود | معاذ اللہ نہ کر مسکیں کو مردود
سبن کا دست گیر اس جگ میں تو ہے | خدا یا رات دن مجھ من میں تو ہے

---

[1] قُطب و وہ ولی اللہ کہ حکم الٰہی سے عالم معنوی میں کسی شہر یا ملک کی نگہبانی اس کے سپرد ہو۔

[2] اَبدال = بِدل یا بَدیل کی جمع ۔ اولیاء اللہ کی ایک جماعت جن کی بدولت دنیا قائم ہے۔ ان کی تعداد ہمیشہ ستر رہتی ہے، جن میں سے چالیس شام میں اور تیس دنیا کے دوسرے حصوں میں رہتے ہیں۔ جب ان میں کا کوئی مر جاتا ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا ولی اللہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یہ لفظ واحد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے

شاہ محمد صدرالدین میسوری نے آج سے تقریباً سوا دو سو برس پہلے اپنے رسالے مراۃ الاسرار میں لفظ 'ابدال' کی شرح یوں کی ہے:-

"ابدال یعنی تبدیل کنندہ۔ یہ بیچ مرتبۂ روح الروح سے کے اپنی خودی سوں بے خود ہو کر تصورِ مطلق میں جس شی کا تصور مقید کرلے اُس شی کی صفت پیدا کرے۔ جیسا کہ نقل ہے کہ ایک بزرگِ کامل سوں خادمانِ صادق التماس کیے کہ اس وقت فرمائے تو ہماری طبیعت اچھی ہے اور بزرگ فرمائے میں کھڑا رہتا ہوں بعد ایک ساعت کے میرے تئیں ہلاؤ۔ اسی وجہ حرکت دیے ۔ اس وقت دل میں سوں آن کے فرمائے تو جھڑ یا۔ یو درجہ اس محل کا ہے"

نظر کر لطف کی اپنے گدا پر | سمیعا گوش کر مجھ ماجرا پر
کہ میں مدت سے غم میں مبتلا ہوں | مرض سے روز و شب اندر بلا ہوں
ہوا دل تنگ میرا اس جہاں سے | توقع کچھ نہیں اب دوستاں سے
کہ بے کاری و بیماری بلا ہے | فقیراں، درد بلا میں مبتلا ہے
نہیں پوشیدہ تجھ پر حال میرا | کرم کر ہوں گدا استاد تیرا
مقدس ذات تیری غیب داں ہے | تجھے پوشیدہ و پنہاں عیاں ہے
شفا خانے سے اپنے بخش صحت | سرافرازی کی جگ میں بھیج خلعت
مکرم کر مجھے اور تندرستی | جہاں میں بخش اے خلاق ہستی
بہ حق مصطفیٰ خیر النبیین | بہ حق مرتضیٰ خیر الوصیین
قبول اس پُرگنہ کے کر مطالب | نظر اصلا نہ کر میرے معائب
کہ میں غرقِ گنہ سرتا بپا ہوں | اسیرِ نفس کافر ماجرا ہوں
ولیکن تو ہے غفار اے خداوند | کرم میں تجھ نہیں ہے مثل و مانند

شفا دے فائزِ زار و حزیں کو
بلند اقبال کر اندوہ گیں کو

در مدح شاہ ولایت علیہ الصلوٰۃ والسلام

شاہ ولایت اسد اللہ علی | اس سے ہے اسلام سراسر جلی
دیں نبی کا اس سے ہوا جلوہ گر | اس کی جسے مہر نہیں قد کفر[1]
ہے بہ خلافت وصی مصطفیٰ | باپ حسین و حسن مجتبیٰ

---

[1] قد کفر = کافر ہو گیا

لحمک لحمی ہے اُسی شان میں — دوستی اس کی نبی کی جان میں
کب ہے پیمبر کا ہے زوجِ بتول — صاحب و سرِ دفترِ اہلِ قبول[1]
ت تلِ کفا رنہیں جز علی — سرورِ عالم[2] کا جہاں میں وصی
توڑ کے صف کفر کی صفدر ہوا — چیر کے اژدر کے تیں حیدر[3] ہوا
علم اسے علمِ نبی کا تمام — باب مدینہ[4] کہا خیرالانام[5]
جس نے پیا مونہہ کا نبی کے لعاب — علم کا وو کیوں نہ ہوے جگ میں باب
اور نہیں دہر میں مشکل کشا — کام کرے سب علی مرتضیٰ
باغ نبوت کے دو ریحانتین[6] — اس کے دو فرزند حسن اور حسین
شبر و شبیر نبی کے عزیز — جن سے کیا اہلِ حسد نے ستیز
حضرت زہرا ہی تھی بضعۃ الرسول[7] — اس کے منافق ہیں سبی دیو و غول

لحمک لحمی = تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ رسول صلعم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔

[1] اہلِ قبول = وہ لوگ جو خدا کی بارگاہ میں مقبول ہیں جن کے اعمال خدا کو پسند ہیں جن سے خدا راضی ہے۔

[2] سرورِ عالم = دنیا کا سردار۔ مراد پیغمبرِ عرب صلعم

[3] حیدر = شیر۔ حضرت علی کا ایک نام

[4] باب مدینہ = شہر کا دروازہ۔ اشارہ ہے رسول کی اس حدیث کی طرف "انا مدینۃ العلم و علی بابُھا" یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

[5] خیرالانام = سب سے اچھا انسان۔ مراد پیغمبر اسلام صلعم

[6] ریحانتین = دو خوش بودار پودے۔ اشارہ ہے رسول کی ایک حدیث کی طرف جس میں آپ نے حسنؓ اور حسینؓ کو ریحانتین قرار دیا ہے۔

[7] بضعۃ الرسول = رسول کا ٹکڑا یا پارۂ جگر۔ رسول صلعم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے "الفاطمۃُ بضعۃٌ منّی من اٰذاھا فقد اذانی ومن اٰذانی فقد اذا اللّٰہ" یعنی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی۔

خیرِ نسا[1] جس پہ نہیں مہرباں | لعن کرے اس کو خدائے جہاں
سرِّ الٰہی سے ہے واقف علی | رتبے میں ہم پلہ ہے وو یا نبی
واقفِ آیاتِ کلامِ خدا | کون ہے جز حیدرِ مشکل کشا
جس کوں نہیں شوقِ علی کا مدام | کیا دھرے وو جام سوں کوثر کے کام
خسروِ آفاق ہے وو بوالحسن[2] | معتقد اس کے ہیں سبی مرد و زن
جو نہیں دنیا میں علی کا غلام | دوزخِ سوزاں میں ہے اس کا مقام
مہرِ علی کی ہے جسے دل کے بیچ | خوف سے محشر کے اُسے غم نہ ہیچ
میرِ عرب شاہِ عجم ہے علی | ہے بی خلیفہ وو بہ نصِّ جلی
اس کو نبی نے جو دئی ذوالفقار | کفر کو معدوم کیا اس نے مار
جان کیا اس نے فدائے رسول | چشمِ منافق میں پڑا خاک و دھول
عمرو[3] سے کافر کا کیا سر جدا | اس سے قوی شرعِ رسولِ خدا
مُرّہ کافر کو کیا جب دو نیم | تب پڑا کفار کے دل بیچ بیم
محرمِ اسرارِ رسولِ خدا | کوئی نہ تھا جز علیِ مرتضےٰ
جس کو کرے لطف سے حیدر نظر | دولت و اقبال ہو وے جلوہ گر
کر نظرِ رحم مجھے یا علی | تا کہ رہوں دہر سا میں منجلی
سینۂ مغمومگیں کو اب شاد کر | اک نگہ لطف سے آباد کر
لشکرِ سودا نے کیا ہے ہجوم | چھائے میرے دل پہ غمامِ غموم

---

[1] خیرِ نسا : سب سے اچھی عورت ۔ مراد حضرت فاطمہؓ

[2] بوالحسن : حسن کے والد ۔ حضرت علی کی کنیت

[3] عمرو بن عبدِ وُدّ : عرب کا ایک نامی پہلوان جو جنگ میں ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا اور ۵ھ مطابق ۶۲۷ء میں جنگِ خندق میں حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا

تو ہی شفا بخش تن زار کا
توئی دوا ہے دل بیمار کا

لطف کرم سے نہیں کچھ عجب
کرتا ہوں اس راہ سے[1] تجھ سے طلب

صحت جاوید عطا کر مجھے
داخل اقلیم شفا کر مجھے

کچھ نہیں ہے لطف سے تیرے بعید
ہو وے رین غم کی مری روز عید

کوئی نہیں خازن گنج خدا
تیرے بن اے حیدر مشکل کشا

مجھ کو ہے دو عرض یہی یا علی
آیا ہوں اب مانگنے تیری گلی

فائز بیدل کو سرفراز کر
صحت جاوید سوں ممتاز کر

تعریف پنگھٹ

کیا جب سیر میں پنگھٹ کا گل زار
کنویں کے گرد دیکھی فوج پنہار

کروں کیا وصف اس سنگت کے تحریر
کروں کیا ان کی میں خوبی کی تقریر

ہر اک پنہار رواں اک اپچھرا تی
کنویں کے گرد اندر کی سبھا تی

بیاں کیوں کر کروں اُن کی میں رفتار
کروں تقریر کیا بیچھن کی جھنکار

رواں تھے جیسے پر چندر اجارے
زمیں پر سیر کرتے تھے ستارے

لے آئی تھی جھریا ایک سندر
لے جاتی اک گگریا سیس پر دھر

سبھن کی رنگ رنگ لہنگا و ساری
کنارے ان کے تھی ٹاکی کناری

سبھوں کے رنگ برنگ تھی بانکڑی ہاتھ
گگریا تھی سبھی کی سر اوپر ساتھ

---

[1] اس راہ سے = اس سبب سے۔ اس وجہ سے یہ "ازیں راہ" کا ترجمہ ہے

اُناں میں ایک تھی جوبن میں ممتاز | کیا میں اس سوں ہنس کر ایک انداز
متے ہاتھی سی چلتی تھی اُجوبن | نہ آہٹ پاتے گر بجتی نہ بیچھن
گھڑا سرپر کھڑی تھی راہ اوپر | یقیں یوسف کی جا ہے چاہ اوپر
گگریا چھوئی ہے اس کی اداکر | دیا[1] کرنے لگی وہ منھ چھپا کر
تفتھا کر سینہ بجلی سی چمک کر | گئی جیوں ہرنی آگے سوں مٹک کر
لگی کہنے سکھی سوں منھ پھلاکر | مروڑی بھوں نہ انکھیاں کوں پھراکر
کہ اب چھوئی نزک سنے یہ گگریا | لے جاؤں گھر میں کیوں کر آج دیا
جھوں لاگ اس کنویں آئی سوں آئی | نہ لیوں پنگھٹ کا میں پھر نام مائی

مثل ہے بھوکے[2] بامھن گائے کھائی
جواب پھر آؤں تو بھمن دُہائی

تعریف ہولی

آج ہے روز بسنت ای دوستاں | سرو قد ہیں بوستاں کے درمیاں
باغ میں ہے عیش و عشرت رات دن | گل رُخاں بن نہیں گزرتی ایک چھن
لے عبیر اور گجا بھر کر رومال | چھڑکتے ہیں اور اُڑاتے ہیں گلال
سب کے تن میں ہے لباس کیسری | کرتے ہیں صد برگ سوں سب ہمسری
خوب رو سب بن رہے ہیں لال زرد | باغ کا بازار ہے اس وقت سرد

---

[1] دیا - دیّا = ای خدا یہ ہندو عوام کی زبان ہے

[2] پوری مثل یہ ہے "بھوکے بامھن گائے کھائی اب کھاؤں تو رام دہائی"

چاند جیسا ہے شفق بھیتر عیاں — چہرہ سب کا از گلالِ آتش فشاں

رنگ سوں ہیں پیرہن سب گل سے لال — نین ہیں، نرگس کنول سے از گلال

ہر چھبیلی از لباسِ کیسری — تازہ کرتی ہے بہارِ جعفری

بیٹھ ہنڈولے جھولتی گاتی ہنڈول — سب گلاں ہنستے گالاں مل کرتی ٹھٹھول

ناچتی گاتی ہوری دمبدم — جیوں سبھا اندر کی در باغِ ارم

از عبیر و رنگِ کیسر اور گلال — ابر چھایا ہے سفید و زرد و لال

جیوں جھڑی ہر سو ہے پچکاری کی دھار — دوڑتی ہیں ناریاں بجلی کے سار

جوشِ عشرت گھر بہ گھر ہے ہر طرف — ناچتی ہیں سب تکلف برطرف

غلماں ہنسیتی رکفا ہیں ہندنیاں حورعین
سچ ہے دنیا جنّۃ للکافرین

در وصف بھنگیڑن درگاہِ قطب[1]

ایک دیکھی میں بھنگیڑن دلربا — من ہرن کنچن برن ماحوریں لقا

اپچھرا اندر کی سوں تھی خوب تر — حسن اُس کا تھا پری سوں بیش تر

دو بھواں تیغِ جنوبی سی دراز — ہونے صد محمود دو مکھ دیکھ ایاز

بیٹھی چوکی پہ جب وو نازنیں — حسن کے کشور میں تھی کرسی نشیں

---

[1] قطب یہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جو دہلی میں قطب صاحب کے نام سے مشہور ہیں سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ماوراءالنہر سے ہندستان آئے اور دہلی میں سکونت اختیار کی۔ وہیں ۱۴ ربیع اول ۶۳۳ھ کو انتقال کیا۔

اس نین کا دیکھنا دنبالہ بلا — لیتی دل جادوسوں دنبالے لگا[1]
دو نین تھے اس کے چنچل جیوں کھنجن — جن کے دیکھے مرگ پکڑے جوگ بن[2]
تھیں انیندی آنکھیں اس کی دل فریب — جس کے دیکھے دل سے جاتا تھا شکیب
ناک اس کی تھی کلی سوں خوب تر — صاف درپن سوں تھا و مکھ بیش تر
دو ادھر تھے اس کے جیوں یاقوت لال — گل ہوا اس غنچہ لب کے آگے لال
دانت اس کے تھے سبی دُرِّ یتیم — لعل کرتے بات ہیں دو لب دونیم
تھی دھڑی اس کے ادھر پر خوش نما — دو ادھر تھے دونوں لعلِ بے بہا
کنج لب پر اس کے تھا زیبندہ خال — تھے دراز اس موکمر[3] کے سر کے بال
ناگنی سی تھیں لٹاں دو اس کے بر — ہوش اُن دیکھے سے جاتا تھا بسر
جیوں کلی تھا رنگ فندق دل ربا — گل سے افزوں تھی ہتھیلی میں صفا
از حنا سر پنجہ ہا عناب رنگ — می پرید از دیدنش از کلہ بنگ[4]
دل فریبی کی ادا اس کی انوپ — روپ میں تھی رادھکا سوں بھی سروپ
پر تکلف پہنی تھی اس نے دوکول — جاتی تھی جس دیکھ سدھ بدھ تن کی بھول
سب ابھوکن اس کے تن پر خوش نما — تھا دوپٹا بادلے کا پر جھنا
پیشواز[5] اس کی دودامی ڈانگ دار — دل گرفتار اس میں ہوتا تار تار

---

[1] دنبالے لگا لیتی = اپنے پیچھے لگا لیتی ہو یعنی اپنے اوپر فریفتہ کر لیتی ہو یا موہ لیتی ہو۔

[2] جوگ بن پکڑے = فقیری کا جنگل اختیار کرے فقیر بن کر جنگل میں جا رہے

[3] موکمر = جس کی کمر بال کی سی باریک ہو یعنی بہت پتلی کمر والی

[4] بنگ از کلہ یا از سر پریدن کے معنی ہیں بھنگ کا سر سے اڑ جانا یعنی نشہ اتر جانا۔ مصرعے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے دیکھنے سے نشہ ہرن ہو جاتا تھا۔ مدہوش آدمی ہوش میں آ جاتا تھا۔

[5] پیشواز = ایک گھیر دار زنانی پوشاک جس کے دامن گھٹنوں سے بہت نیچے ہوتے ہیں اس کی شکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک شلوکے میں لہنگا جوڑ دیا جائے۔ ایک زمانے میں پیشواز مسلمان عورتیں پہنا کرتی تھیں

(بقیہ حاشیہ ۲۰۶ پر ملاحظہ ہو)

پا میں تھی شلوار زر لفت طلا — کرتا فانوس دو شاخہ پر جلا
مرتے تھے عشاق دیکھ اس خوب رو — کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ
خوش نما تھا اس کے پگ میں پائے زیب — ایڑی نارنگی و دو ٹلوے تھے سیب
دو لڑا مالا و بدھی اُرلبسی[1] — ر یہ ن باری میں گہنے کے پھنسی؟
(ورق پھٹا ہوا ہے یہ الفاظ پڑھے نہیں گئے)

مُرکی[2] و نتھ، مانگ، ٹیکا، کان پھول — دیکھ کر گئی سدھ سکل تن من کی بھول
باہو و پہنچی و کنگن، پچلڑی — سر سوں تھی پالگ جواہر میں جڑی
بیچتی تھی بنگ بوزا اور شراب — کرتی تھی عشاق کوں رسوا خراب
کہتی تھی ہراک سوں وہ آشوب جان[3] — دَعْ کُؤُسًا وَاسْقِنِیْہَا بِالدِّنَانْ
سب کوں کہتی تھی یہ آواز بلند — قحبہ خانے میں ہو آنا سود مند
دل سوں راکھونگ دور اے عاشقین — اِنْ تَکُوْنُوا فِیْ ہَوَانَا صَادِقِیْنْ
تھے انیک اس نار کے میتر و میت — غمزے سوں ہراک کا دل لیتی تھی جیت

(بقیہ صفحہ ۲۰۶) اس کے بعد اس کا استعمال دلہنوں کے لیے مخصوص ہو گیا، رنڈیاں، ڈومنیاں اور بھانڈ ناچتے وقت پیشواز پہن لیتے تھے۔ اودھ کے قصبوں میں مسلمان نائنیں بالعموم سرخ پیشواز پہنتی تھیں۔ اب کچھ دنوں سے یہ پوشاک تقریباً بالکل متروک ہو گئی ہے۔

[1] اُرلبسی = ایک زیور کا نام ہے۔

[2] مُرکی = (دیکھو فرہنگ) جرأت کہتے ہیں

صبح کا تارا خجل ہو دیکھ بندے کی لٹک
دیکھ سورج یہ جڑاؤ مرکیاں تھرائے ہے

[3] آشوبِ جان = بلائے جان۔ آفتِ جان۔

دل و انکھیاں میں نہ تھا اس عشق ولاج
رکھتی وہ سامان بنانت زرسوں کاج

مجھ کو اس رہ پر ہوا ناگہ عبور
پس توقف لازم آیا بالضرور

ایک چمن میں نے کیا اس جا درنگ
تا نظر آئے تماشا رنگ رنگ

مجھ کوں کہنے لاگی وو حوریں لقا
خوش صفا کلدن اونر کلدن صفار کذا)؟

سب کوں دکھلا جام کہتی تی وو حور
اِنَّہَا مِفْتَاحُ اَبْوَابِ السُّرُوْر

طرفہ مجلس تھی عجب ہنگامہ
حسن سے تھی وو کہ جلائے عامہ

ہر طرف بجتا تھا طنبور و رباب
ہر طرف بکتا تھا بوزا اور شراب

خندی اور باززاری اس سنگت میں جمع
ہر طرف ٹچّے کھڑے تھے مثل شمع

صف بہ صف ٹچّے کھڑے تھے پیش رو
کابلی بچے بہم در گفتگو

جیوں کسائی کی دوکان آگے کلاب
نچنے سب کرتے تھے بر ہوم اضطراب

تھے بچوڑے سب مہیاسے لگاڑ
ہر طرف اُن کی کھڑی تھی ایک دھاڑ

تھے رزا لے اور چکورے گرد و پیش
پاک باز اس دیکھ کے تھے سینہ ریش

سفلے کوں ہے خودنمائی سوں شرف
آدمی زادے نہیں ہوتے ہدف

کام ہے ناجنس کا مُکّی ولات
اس بغیر اُس کوں نہیں آتی ہے بات

ویسی مجلس میں کئے تھے سب دیو و دد
بھاگئے وو دیکھ صحبت نیک و بد

دو نکت فوناں[1] میں آئی گفتگو
جمدھر و تلوار پکڑی رو برو

آں یکے برجست و تیغش زد بسر
دوسرے نے اس کو پکڑا از کمر

شَقَّ بِالسِّکِّیْنِ فَوْرًا صَدْرَہٗ
فِیْ مُحَاقِ الْمَوْتِ اَخْفٰی بَدْرَہٗ

کھل بلی ناگہ پڑی اس بزم میں
سب نظر کرنے لگے اس رزم میں

---

[1] نکمت فوں = اس لفظ کے وہی معنی معلوم ہوتے ہیں جو اس زمانے میں "اکڑفوں" کے ہیں۔

برہم و درہم ہوئی سنگت تمام — یہ فساد اس جا ہوا نزدیکِ شام
چند تن آخر ہوے جو تھیا شہید — موت سکتے کی سوے کیتے پلید

رقعہ

مہرباں ہم پر نہیں تو ای نگار — اس سبب سے دل ہی میرا بیقرار
تجھ بنا راحت نہیں ہی ایک چھن — لو لگی ہی تیری مجھ کوں رات دن
مہربانی کر، کرم کر، ای پری — ہی منے سب دل برؤں سے دل بری
ابر رحمت سا ہو تجھ پر سایہ ور — بے جہت کرتا ہی ہم سوں کیوں حذر
تیرے غم سوں درد میں ہوں مبتلا — وصل بن ای جاں نہیں دل کو دلا
یوسف ثانی ہی تو ای گل عذار — خوب رویوں میں تجھی پر ہی بہار
دو نین تجھ دل ربا ہیں جیوں پری — مرگ کوں اُن سے نہیں ہی ہمسری
دو بھواں ہیں دونوں تیغ آبدار — خنجرِ مژگاں کی ہیگی تیز دھار
زلف سنبل، گال گل، ہی لالہ رو — تجھ کو دیکھا خوب ہم نے مو بہ مو
سرمہ چشمِ مست کا دُنبالہ دار — عقل کا کرتا ہی تیرہ روزگار
چھب سے تیری سروِ ناموزوں ہوا — داغ سے تجھ لالہ غرقِ خوں ہوا
گل چمن میں ہجر سے ہی سینہ چاک — ڈالتا ہی بلبل اپنے سر پہ خاک
دل براں میں تو ہی سب کا بادشاہ — دو ستارے ہیں زمیں کے تو ہی ماہ
مہ لقا ہیں تیرے آگے سب غلام — کرتے ہیں سب ہاتھ بستہ تجھ سلام
تیری چھل بل نے کیا دیوانہ دل — جگ کی الفت سوں کیا بیگانہ دل
تیری دوری سے ہی سوسن سیاہ پوش — تا سنے تجھ نام گل ہی شکلِ گوش

ناتواں نرگس ہوئی تجھ فکر میں — نت ہے بلبل میری جاں تجھ ذکر میں

چشم بر رہ تیری نرگس روز و شب — ہے کنول باد اس کو تیرے غم سوں اب

تجھ برہ میں جل کے ہے سنبل کباب — کھاوے تیری زلف سا دو پیچ و تاب

چاک دل تجھ عشق میں صد برگ ہے — زنبق و نسریں کو تجھ بن مرگ ہے

تجھ جدائی سے چمن ہے خار زار — باغ میں تجھ بن نہیں ہے کچھ بہار

فائزِ شیدا سوں کر اے جاں ملاپ
بے گنا ہوں کا عبث لیتا ہے پاپ

در وصفِ حسن

ہمارے سجن کو جو دیکھے بشر — ہوے جیوں صنم[1] آپ سوں بے خبر

کماں سے ہیں ابرو نیں ہیں کھنجن — دو مکھ صبح زلفاں اندھیری رین

نین اس کے انجن سوں کھنجن نما — ہر ایک جنبشِ چشم میں کئی ادا

اُدھر اس کے یاقوت سیتی ہیں بیش — بدخشاں ہے اس لعل سوں سینہ ریش

گہر اس کے دنداں کے آگے خجل — عقیقِ یمن لب ستی منفعل

مسی کی دھڑی ہے لباں کے اُپر — گرفتار اس پر ہیں اہلِ نظر

جمی ریکھ مسی کی دانتاں کے بیچ — حنا رنگ دیتی ہے ہاتاں کے بیچ

دو زلف اس کی ہیں سنبلِ تاب دار — دو کاکل نظر میں ہیں مانند مار

کنک سوں صفا وار ہے وو بدن — کنول ڈال سے ہاتھ گل سے چرن

---

[1] صنم: بت، مورت

صفا رنگ اس کے ہیں چنپے سے بیش
دل عشاق کا اُس کے غمزے سوں ریش

کمر اس کی مانند زنبور ہی
چندر اُس کے مکھ پاس بے نور ہی

ہوا اس کے پنجے سوں مرجاں خفیف
کہ ہی پنجۂ مہر کا وو حریف

حسن سوں بتاں بیچ سردار ہی
دل اُس پر سبی کا گرفتار ہی

نظارے پر اس کے ہیں سب دل دلیر
نہ ہوتی نظر اس کے دیکھے سے سیر

سب عاشق گرفتار دیدار کے
سبی محو اس چہرہ گلنار کے

وو دیدار[1] کے سب خریدار ہیں
ولے مجھ سے ناہیں وفادار ہیں

نہیں اس کے بن وصل مجھ دل کو چین
اُسے دیکھنے کوں ترپتے ہیں نین

نہیں غافل اس سوچ سوں ایک چھن
مرا دل ہی اس فکر میں رات دن

بنا وصل پیتم کے دل ہی [illegible]
جدائی سوں اس کی ہی خاطر غمیں

مجھے اس جفا جو سوں نت آس ہی
تعلق مرا اس سوں پرکاس ہی

لٹکتا مٹکتا[2] ہی وو چال میں
گرفتار دل اس کے ہر بال میں

لگے ہی خوش اُس میاں میں کنار
کہ خنجر گزار ہی ہی اس کوں شعار

سخن خوب کہتا ہی میرا سجن
سبی وو وھ پیڑے ہیں اس کے بچن

بیاکل ہی دل اس کے ہجراں سوں نت
مرے دل کوں پیارے سے لاگی ہی ہت

کہاں لگ کروں فائز اوصافِ یار
کہ دریاے قلزم کوں ناہیں کنار

---

[1] وو دیدار = اس کا دیدار

[2] لٹکتا مٹکتا ہی وہ چال میں = جھومتا ہوا مستانہ وار چلتا ہی۔

رقعہ

سلامٌ علیکم علیکم سلام — سنو ٹک ہمارا سجن یو پیام
نہ پاتی نہ پیغام بھیجے مجھے — ترے عشق کی آگ کیوں کر بجھے
نہیں مثل سیماب مجھ دل کوں چین — نہ دن کل پڑے ہے نہ ہے نیند رین
خبر اپنے عاشق کی تجھ کوں نہیں — اگرچہ بھری اس کے غم سوں زمیں
تجھے ڈھونڈتا ہوں میں ہر صبح و شام — نہیں مجھ کو اس فکر بن اور کام
ہر اک دل ہے تجھ درد سوں غم کدہ — جہاں تیرے غم سے ہے ماتم کدہ
بچھڑنا بہت تجھ ستی ہے کٹھن — اگن برہ کی ہے سقر کی اگن
تری زلف میں دل گرفتا رہو — ترے ہجر سوں دل شب تار ہے
تو ہنجنت دائم ہے ایام میں — تو بے فکر ہے عیش و آرام میں
تجھے دیکھ فرہاد اے خوش ادا — کرے رات دن جان شیریں فدا
جو مجنوں تجھے دیکھے اے خوش خرام — زباں پر نہ لاوے وو لیلیٰ کا نام
مرے دردِ دل کا ہوا اک دم طبیب — جدائی سوں تیری ہوا ناشکیب
پھروں سوچ میں تیرے میں دربدر — ولیکن نہیں تجھ کوں اصلا خبر
بھلا دو نہیں خاطر شاد سوں — فرامش نہ کر ڈالو مجھ یاد سوں
نہ کریے دلاں پر جفا اس قدر — ٹک آؤ غریباں ستی کر حذر
ستم پیشہ اپنا نہ کر دہر میں — ادھر ہی کہا دے گا تو شہر میں
اٹھا بے تکلف ہو مکھ سوں نقاب — مناسب نہیں عاشقوں سے حجاب
ایس وصل سوں دل مرا شاد کر — مجھ آغوش کے گھر کوں آباد کر
ترے ہجر سوں غم میں ہوں مبتلا — نہیں وصل بن عشق کی کچھ دوا

کرو مہربانی سیں مجھ سے ملاپ — بلا وو مجھے یا تمھی آؤ آپ
نین تجھ سوں لاگے نین کی قسم — نہیں غیر دل میں سجن کی قسم
ترے وصل کی فکر میں ہوں خراب — جدائی سوں دل ہو رہا ہی کباب

کرو ھا مت تو فائز کو ای دلربا
کرم کر جمالِ مبارک دکھا

رقعہ بہ محبوب

میری جاں ہم سیں نہیں ملتی ہو — باغ بن میرے نہیں کھلتی ہو
تم بنا دل کو نہیں ہی آرام — دل کے خانے میں تمھارا ہی مقام
میں ہوں تجھ یاد میں نس دن حیراں — تو رقیبوں کے چمن میں خنداں
ڈھونڈتا ہوں میں تجھے شام و سحر — لیک پاتا نہیں کچھ تیری خبر
تجھ بنا میں ہوں جیوں مچھلی بن جل — عشق تیرا ہوا مجھ کو آ ٹکل
تو ہی دل شاد رقیبوں کے پاس — میرے دل میں ہی بہت تیری آس
رحم کر رحم جفا جو مجھ پر — مہر کر ای بتِ بدخو مجھ پر
تیری انکھیاں نے کیا ہی مجنوں — درد سے تیرے ہوا ہوں دل خوں
تیرے نیناں ہیں مگر جادوگر — کہ مجھے عقل سے ڈالا ہی بدر[1]
دو ادھر تیرے ہیں جیوں امرت پھل — شیرینی میں ہیں مگر شاخِ عسل
طاق ابرو نے کیا خلق خراب — قبلہ میرا نہیں جز یہ محراب

---

[1] یعنی ڈالا ہی = باہر نکال دیا ہی - خارج کر دیا ہی۔

تجھ بناگوش سے درپن حیران
دل ہی نظارے پہ اس کا قرباں
ہر پلک تیری ہی ای جان خنجر
ہر نگہ صبر کی ہی غارت گر
اُن کپولاں گے گل ہی بیرنگ
غنچہ اس غم سیں نہایت دل تنگ
زلف تیری ہیں کمند ای دل بر
خجل اس مو سے ہوا ہی عنبر
سیب ہی تجھ زنخ آگے بے قدر
رین میں زلف کی چہرہ جیوں بدر
جا بہ زیبی میں نہیں تجھ ثانی
تو ہی خوبی میں جیوں نقش مانی
سرو تجھ قد سے ہوا ناموزوں
گل ترے مکھ کے غم سوں دل خوں
آ مجھ آغوش میں ای شاہِ بتاں
کہ کروں تجھ پہ دل و جاں قرباں

تعریف جوگن

حسن کا کل کیا بنارس سیر
ماہ رویاں کا ایک دیکھا دیر
آئی مجھ چک[۱] مڑھی میں ایک جوگن
مست ہیں مجھ گھٹ کی اُس بسا جوبن
وہ چہ[۲] جوگن ہزار چھند بھری
جوڑے میں باندھے[۳] اس کے دیو و پری
بیٹھی تھی مرگ چھالے کے اوپر
مہ رخاں بیچ اسے نہ تھا ہم سر
سر سے پا لگ تمام ننگی تھی
اس کے پنڈے پر ایک لنگی تھی
کم ہی اس مکھ سوں جوت چندر کی
چیری اس اچھرا ہی اندر کی

---

[۱] آئی مجھ چک = میری آنکھ میں آئی - مجھے دکھائی دی
[۲] وہ چہ جوگن = واہ کیا جوگن (ہی)
[۳] جوڑے میں باندھے = جوڑے میں بندھے ہوئے - حکم کے تابع -

جوڑا بالوں کا باندھ کر جوگن
بیٹھی تھی کنڈلی مار اک ناگن

دل انیتاں کے ڈس کے کرتی بند
سر کے پیچھے رکھی لپیٹ کمند

جوڑا نہیں گیند ہے کنھیا کی[1]
یا سہس ناگنی ہے دریا کی

سرو تھا دلبری و قامت کا
بن میں جوگی ہے کیک اس گت کا

تن چڑھا راکھ گل میں سٹ سیلی
قمری اس سرو کی ہو اک چیلی

مور اُس داغ کا پہن کنٹھا
نٹوا اس بزم کا ہے کنو نٹھا

کویل اس عشق بیچ لے بیراگ
کوک سنگی (کذا) بجا کے گاتی راگ

رہ کھڑا ایک پانوؔ پر بگلا
ہے تپسی و بحر جوبن کا

مرگ سی چک سوں کھینچ ہرن کی کھال
یک تلیں بیٹھی مرگ چھالا ڈال

نہیں چھپیا تن بھبوت میں سارا
راکھ میں حسن کا ہے انگارا

جب کرے تپ[2] سورج کی ٹھاوی(کذا) رہ
چرخ ہوڑے "نمو نرائن"[3] کہہ

نہ پری تھی نہ حور وہ جوگن
راکھ میں ایک شعلۂ جوبن

---

[1] کنھیا یعنی کرشن کے گیند اور سہس ناگنی یعنی ہزاروں ناگنوں کا قصہ یہ ہے متھرا کے قریب جمنا میں ایک وہ یعنی کنڈ تھا جس میں ایک کالی ناگ رہتا تھا اور اسی وجہ سے وہ کنڈ کالی وہ کہلاتا تھا۔ اس ناگ کے ہزار پھن تھے اور اس کی ہزار ناگنیں تھیں۔ ایک مرتبہ لڑکپن میں کرشن گوالوں کے بچوں کے ساتھ جمنا کے کنارے گیند کھیل رہے تھے اتفاق سے ان کا گیند کالی وہ میں گر پڑا۔ کرشن اس کو نکالنے کے لیے کنڈ میں کود پڑے اور پاتال میں ناگ لوک میں پہنچ گئے وہاں کالی بڑا سو رہا تھا اور اس کی ناگنیں جاگ رہی تھیں۔

[2] سورج کی تپ کرنا = سورج دیوتا کو خوش کرنے کے لیے تپسیا یعنی ریاضت کرنا۔

[3] نمو نرائن = نارائن کو نمسکار کرتا ہوں۔ خدا کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

کرتی تالاب میں جو جب اشنان | سب کنول ہوتے نرگسِ حیراں
اس کوں دل دیکھ ہوا ہی بیراگی | اس میں سیماب سی ہی بے تابی
برق جاں سوز ہی وہ چنچل نار | وقنا ربنا عذاب النار

بیان میلہ بہتہ

آج بہتے[1] کا یار میلا ہی | خلق کا اُس کنار ریلا ہی
مرد و زن سب چلے ہیں اُس جا پر | خلق پھیلی کنار دریا پر
بہل و گاڑی میں سب چلیں نسواں | کوچہ بازار میں ہوا چیں چاں[2]
اہل حرفہ چلا ہی سب اقسام | آج سب کا بنے گا اس جا کام
پال تمبو کھڑے ہیں اس جا پر | لوگ پھرتے ہیں سب تماشا پر
میوہ اور شیرینی ہی سب اقسام | اُردو[3] بازار بی گیا ہی تمام
سب ہی واں بلکہ دودھ چڑیا[4] کا | یہ سبی معجزا تماشا کا

---

[2] چیں چاں = عورتوں اور بچوں کا شور و غل

[3] اُردو بازار = چھاونی کی بازار - صدر بازار - بڑی بازار جہاں سب چیزیں بکتی ہوں - دہلی میں قلعہ کے لاہوری دروازے کے سامنے ایک بازار تھی جو شاہجہاں بادشاہ کی بڑی بیٹی جہاں آرا نے ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں قائم کی تھی - اس بازار کی لمبائی ایک ہزار پانچ سو بیس گز اور چوڑائی چالیس گز تھی ۔

[4] چڑیا کا دودھ = وہ چیز جو کہیں نہ ملے - نہایت کمیاب چیز

جاتے اس جا امیر فیل سوار — خوب رویوں سے واں لگا دربار

ایک جانب میں بھگتیوں کا ہجوم — خال روشن سے وو بنے ہیں نجوم

اور جانب میں کنچنی بازار — اون سے روشن ہوئی ہو وو شب تار

ایک جانب میں بھانڈ کا ہو شور — دیکھنا اُن کا اہلِ دل کو ضرور

مسخروں سے ہو گرم سب بازار — ناچتے کودتے ہیں کھاتے پچھاڑ

ایک جانب میں نٹ کا ہنگامہ — فن میں اپنے ہیں سخت علّامہ

ڈھول بجتا ہو اس تماشا میں — سب رزالے کھڑے ہیں اس جا میں

ایک جا پر کھڑا ہو چرخ فلک — اس میں بیٹھے ہیں دیو حور و ملک

راہ اوپر ہو جا بھسنگیڑن کی — وو بی بی ہو وو کمیرن (کذا) کی

بھنگیاں کا ہجوم ہو برپا — بات[لہ زبھی] اُن کی میں لگ رہا خنکا

پی قدح سب پڑے ہیں اس جا پر — لعنۃ اللہ ان کے غوغا پر

اور جانب میں ہو شراب فروش — مست اس جا ہیں کرتے جوش و خروش

لات مکّی بی ہوتی ہو اکثر — ہور رہے واں فساد بی در پر

ہو رزالے کا خود نمائی کام — تا کہ نکلے اُناں میں اُس کا نام

گل فروش ایک سمت بیچے ہار — اُس کی وو کان پر ہوا ہو بہار

اس کے بیٹھا ہو آگے تنبولی — اس کی چولی میں ہو بھری ڈھولی

لہ اس مصرعے کا مطلب یہ ہو کہ وہ ہر بات میں لفظ خنکا استعمال کرتے ہیں بات بات میں خنکا کا لفظ ان کی زبان پر آتا ہو ۔ انشا نے ذیل کے شعر میں نشہ بازوں اور آزادوں کی زبان سے لفظ خنکا استعمال کیا ہو ؎

اپنے خنکے سے جو سبزہ نہ ملا ہم آزاد — ٹوٹی چیلی میں بھلا پوست تو مل سکتے ہیں ۔

پاس بیٹھا ہی اُس کے حلوائی | بیچتا سب طرح کی میٹھائی
پوستی سب کھڑے ہیں اس جا پر | جان دیتے ہیں نامِ حلوا پر
بھنگی (لکذا) اس بیچ خود نمائی میں | سب رذالے ہیں بے حیائی میں
سب چکورے بھنگیڑے خانے پر | جیسے کرتے ہیں آشیانے پر
گرم مرغ الذی (کذا) سے سب بازار | اُن کو حیوان دد و دد میں شمار
مُخنّث بی اس مکان میں حاضر | جنسِ رسوائی کے سبھی تاجر
گبر، ترسا، یہود، مسلم ساتھ | پھرتے بازار میں پکڑ کر ہاتھ
بہل و رتھ میں بھری ہیں سب عورات | آشنا ساتھ اپنے کرتیں بات
سیر کرتی ہیں اس طرح ہر سو | سب نظر میں ہی چشم اور ابرو
کلکلاتی ہیں آپ میں ہر دم | طاق پر دھر رکھی ہی سب نے شرم
آگے پیچھے کھڑے ہیں ان کے حریف[1] | واں مساوی ہیں سب وضیع و شریف
ہی سندیسا لگا اصیلاں ساتھ | کہ کہاں آویں ہم کہو اس رات
وعدہ ہوتا ہی اُن میں جب پختا (پختہ) | جا اترتی ہیں رات کو ہر جا
ٹھور ٹھوران کے آملیں ہیں حریف | نذر کرتی ہیں سب وجودِ شریف
جمع ہوتی ہیں قحبہ زانی پاس | خوف ان کو نہیں ہی کچھ نہ ہراس
کارِ بد میں سبھی ہیں آلودہ | فسق بیٹھا ہی جیسا فالودہ
رات اس جا میں یوں گزرتی ہی | قحبہ زن کام اپنا کرتی ہی
صبح ہوتی ہیں سب رواں گھر کوں | زیب دیتی ہیں اپنے مندر[2] کوں
ہی یہ حاصل تمام میلے کا | اِس بجز[3] کچھ نہ نفع ریلے کا

---

۱ حریف = مقابل، جوڑ، جوڑا ۲ مندر = مسکن، گھر
۳ اس بجز = اس کے سوا

تا جہان است ایں چنیں باشد — شور و ہنگامہ بر زمیں باشد
فائز از ہم نشینِ بد بگریز — بانکویاں چو شہد و شیر آمیز
معصیت ہی تمام فسق و فجور — حق رکھے ہر کسی کو اس سے دور
نیک نامی جہاں میں حاصل کر — عشق میں حق کے دل کو واصل کر
لے حقیقی کو دور کر تو مجاز — زانکہ[1] ہی یہ طریقِ اہلِ نیاز
عشق معبود کا مناسب ہی — خالق اس کالبد کا وو رب ہی
سب کو اس جا رجوع[2] ہی آخر — جس کو یہ اعتقاد نہیں کافر
جرم بخشی کر اے خدا ہم پر — نظرِ قہر ہم سے تو کم کر[3]
ہم گنہ گار تو غفور کریم — ہم ہیں بدکار تو ودود کریم
فضل تیرا ہی بحرِ بے پایاں — گرچہ ہم ہیں تمام پُر عصیاں

بہ طفیلِ محمدِ عربی
بخش دے تو گنہ سبوں کے سبی

در وصفِ کاچن

بھون آئی ہمارے ایک کاچن — دو گال صفا ہیں اُس کے درپن
پھرتی او سورج سی دن کوں دردر — میواں سوں لے سر پہ تارے چندر

---

[1] زانکہ = ازاں کہ ، اس لیے کہ
[2] رجوع = پلٹنا ، واپسی
[3] کم کر = نہ کر۔ فارسی میں کم کن ، مکن کے معنوں میں بھی آتا ہی۔

سنبل کے لپٹے ہیں سر کے اس بال — نرگس سے نین و گل سے وہ گال

زنبق کی کلی سی ناک کی چھب — غنچہ سا دہان و برگ گل لب

گلنار کی پکھڑی جیب کی بھانت — تھے دانے انار موتی سے دانت

خوبی کے گہر کا سینۂ عماں — تھے اس میں حباب سے دو پستاں

ابھری ہیں کچ اس کی جیون سپاری — گہنے سے لگے بہت پیاری

اس آگے اندیشہ سب ہوا گم — آہوئے خیال کا گرا سم

جب بولے پکار لیو میوا — سیوا کریں اس کی رام[1] دیوا

چھن چھن بجیں ہاتھ بیچ کنگن — چن چن کریں پاؤں بیچ بیچھن

زیبندہ ہے اس کے پگ میں چیہر — نٹھرائی سوں سب کوں دیتی اُتر

ایک چھن میں کرے انیک انداز — ہر دل کے لبھانے میں وہ ممتاز

دھک بیٹھے ادا سے جب مٹک کر — سب جی کے نشانے مارے تک کر

چٹڑی سے لگے بہت پیاری — اس کی ہر ادا سبھی نیاری

دل باغِ جمال کا ہو مالی — کرنے لگا سیر ڈالی ڈالی

اس حسن کا دیکھ تازہ گل زار
فائز ہوا عشق میں گرفتار

تعریفِ تنبولن

ایک تنبولن دیکھی میں دل ربا — ماہ رخاں بیچ بہت خوش ادا

---

[1] رام و دیوا = بڑے بڑے روحانی مرتبوں پر پہنچے ہوئے لوگ۔ سادھو سنت۔ عابد و زاہد

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین — اس کا ہوا عشق مجھے فرضِ عین

بانکڑی تھی ہاتھ میں اس کے ہری — بیٹھی تھی دو کان میں وہ جیوں پری

کجلا دیا نین میں دنبالہ دار — حسن سے اس حور لقا پر بہار

ہونٹاں اُپر زیب دیتی تھی دھڑی — گل میں تی موتیاں کی اُس کو لڑی

کڑوے بچن کہتے سے جو کرتی غضب — چڑنے سے (گلا) بد تر (تھی) ہوئے دل جل کے سب

کچ وو سپاری سی رہی تھی ادھر — کرتی تھی عشاق کا ٹکڑے جگر

پان پھرائی[1] تھی وو جب بر دکاں — جگ کے پھرائی تھی آپس پر دلاں

بیڑے سے لے اس ہاتھ سوں اہلِ نظر — پان چباتے تھے زلختِ جگر

کیلے کے گابھے سے ملائم دو ہاتھ — دیکھ کے مرجھاتے تھے کیلے کے پات

نت دل عشاق کی چوری کرے — ہاتھ میں لے اپنی گلوری کرے

پپڑی[2] لباں پر جمے اس دیکھ کر — نین سیتی ٹپک زخون جگر

پیچ میں بیڑے کے گرفتار سب
اہلِ دل اس لکھ کے خریدار سب

تعریف نہان نگنبود[3]

ندی پر نمایاں ہیں سیمیں بدن — جیوں روپے کی تھالی میں ڈھلتے رتن

---

[1] پان پھرانا = پانوں کو تلے اوپر کرنا تاکہ ان میں ہوا لگ جائے اور وہ سڑنے نہ پائیں۔

[2] ہونٹوں پر پپڑی جمنا = ہونٹ سوکھ جانا، منہ خشک ہو جانا، مرعوب، متحیر اور پریشان ہونے کی علامت ہے۔

[3] نگنبود، نگمبود، شاہ جہاں آباد کے شمال مشرق کی جانب دریا کے کنارے ایک مقام ہے۔ جس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ دوا پر جگ کے شروع میں یعنی آج (بقیہ ص ۲۲۱ پر)

کھڑے گھاٹ پر ہیں سبھی سیم بر ۔۔۔ خجل اُن کے مکھ سے سورج اور چند
کرے[1] دل کو پانی ہر اک ہندنی ۔۔۔ نظر پڑتی پانی اُوپر چندنی
دکھاتی ہیں چھاتی نول[2] جوبناں ۔۔۔ کلس سونے روپے کے دیکھو عیاں
مرے دل کو آتا ہے اِس سے حذر ۔۔۔ کہ ان کو نہ لاگے سورج کی نظر
(پری سی)، نظر ہیں کہیں کھتر انیاں ۔۔۔ صباحت کے اقلیم کی رانیاں
ہے اندر کی مانو[3] سبھا جلوہ گر ۔۔۔ کہ ہر تار دستی ہے رمبھا سوں ور
کمر پر جو پڑتے ہیں سب موئے سر ۔۔۔ اُناں[4] بیچ مل جاتا موئے[5] کمر

(بقیہ صفحہ ۲۲۰) سے کوئی پانچ ہزار سال پہلے برھماجی سب وید بھول گئے تھے جو اُن کو پرمیشور نے اس جگہ یاد دلائے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ راجا یدھشٹر نے اس جگہ بہت بڑا جگ کیا تھا۔ اب اس جگہ پر سنگِ سرخ کے خوب صورت گھاٹ بنے ہوئے ہیں اور روز صبح کو نہانے والوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ (ماخوذ از آثار الصنادید)

مصحفی کہتے ہیں:۔

تختۂ آبِ چمن کیوں نہ نظر آئے سپاٹ ۔۔۔ یاد آئے مجھے جب دم وہ نگمبود کا گھاٹ
دلّی کی آرزو میں مَیں روتا ہوں مصحفیؔ ۔۔۔ یاد آئے ہے وہ مجھ کو نگمبود کا جو گھاٹ

[1] دل کو پانی کرنا = دل کو پگھلانا، نرم کرنا، گداز کرنا

[2] نَول جوبنا = نئی جوانی والیاں

[3] مانو = گویا کہ، جیسے کہ۔

[4] اُناں ان کی جمع۔ اگلے زمانے میں اُن کا لفظ واحد کے طور پر مستعمل تھا۔ میر کا مشہور شعر ہے۔

میر کے دین و مذہب کو تم پوچھتے کیا ہو اُن نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

[5] موئے کمر = اضافتِ تشبیہی ہے، جیسے مارِ زلف۔ کمر جو بال کی سی یعنی نہایت پتلی ہے

دو مرغابیاں سی کلولیاں کریں
ل آپس میں ہنس ہنس ٹھٹولیاں کریں

لے جاتی ہیں جیوں اپچھراجی کوں چھل
کہ دیکھ اُن کو پانی میں دل جائے جل

کریں سیر مِل رات دن خاص و عام
بناگوش اور زلف کی صبح و شام

نظر کرکے اس گوشِ پُر دُر طرف
سو خجلت سے دریا میں ڈوبی صدف

ہر اِک نار سورج سی سوبھا دھرے
کھڑی ہو سورج کی تپسیا[1] کرے

نین دو کنول اور دو گل ہیں گال
کلی چنپے کی ناک کو ہے مثال

دو جوبن سے سینہ ہے گلشن سکل
لگی جس میں پستاں سے امرت کے پھل

دو روما دلی دیوے گلشن کو آب[2]
اسی چشمۂ ناف پر دل حباب

کہوں آگے کیا شرم کی بات ہے
کہ امرت کا چشمہ بہ ظلمات ہے

جسے عشقِ خوباں سے لاگے ہے خو
پھراوے وو کب ماہ رویاں سے رو

نظارہ اُناں کا کروں صبح و شام
مجھے رات دن ہے نکویاں سے کام

---

[1] سورج کی تپسیا کرنا = سورج دیوتا کو خوش کرنے کے لیے ریاضت کرنا۔

[2] آب دینا = پانی دینا، سینچنا، چمکانا، بارونق کر دینا۔

(۴)

فرہنگ

اَبکم = گونگا
اَبھوکن = ابھوکھن - ابھوشن، زیور
اپچھرا = اُپسرا - اندر کی سبھا میں ناچنے والی حسین عورت
اَپس = اپنا - اپنے - اپنی
ات = بے حد - بہت
اُتر = جواب
اُتیت = سادھو - سنیاسی - جوگی - فقیر
اُجارا = اُجالا - روشنی
اجھوں لگ = اب تک - آج تک
اَدھر = ہونٹھ - لب
اودھرمی = بے دھرم - بے ایمان - بے انصاف - بدمذہب
اُربسی = ایک زیور کا نام
آرسی = آئینہ
ارگجا } عطروں اور خوش بوؤں کا ایک مرکب
ارگجہ
اصیل = ماما - خادمہ - لونڈی - باندی
اقامت = کھڑا ہونا - ٹھیرنا
اگری = اگر صندل کی طرح کی ایک خوش بودار لکڑی ہوتی ہے - اس کی دھونی سے کپڑے بسائے جاتے تھے - اگری میں یائے نسبتی ہے

اگن = آگ

اِمام = سردار - پیشوا - بادشاہ

اِمامت = سرداری - پیشوائی - بادشاہی

اِمرت = اَمرِت - آبِ حیات

امرت پھل } وہ پھل جس کے کھانے سے آمی ہمیشہ جوان رہتا ہے
امرِت کا پھل } سیب اور ناشپاتی کو بھی کہتے ہیں -

انجن = سرمہ - کاجل

اِندَر = اِندر - دیوتاؤں کا راجا جو سُرگ یا بہشت میں رہتا ہے اور پانی برساتا ہے
وہ حسین برہنہ عورتوں سے گھرا رہتا ہے اور انتہائی عیش کی زندگی بسر کرتا ہے

اندیاری = اندھیاری - اندھیری - تاریک

آنکل = گہرا، بہت زیادہ

آنکھ چرانا = نظر بچانا - نگاہ نہ کرنا - بے رُخی کرنا - انجان بننا

اَنُوپ = بے مثل

اَنیک = بہت سے

اُنیندری = نیند سے بھری ہوئی، خماری - مخمور یا مدھ بھری (آنکھ)

او = وہ

اوصیا = وصی کی جمع (دیکھو فرہنگ لفظ وصی)

آہوے چین = چین کا ہرن جس میں سے مشک نکلتا ہے -

باب = دروازہ

بادلا = سونے چاندی کا چپٹا تار

بازاری = بازار میں پھرنے والا - اوباش - شہدا -

باغِ ارم = شداد کی بنائی ہوئی مصنوعی جنّت
بانڈ = بھانڈ
بانکڑی = ایک قسم کی لہردار چوڑی جس کو اب بانک کہتے ہیں
باہو = بازو بند
بتول = قطع کرنے والی دنیوی تعلقات کی پیغمبرِ اسلام صلعم کی بیٹی فاطمہؓ کا ایک لقب ہے
بچن = قول ۔ بات ۔ گفتگو ۔ باتیں
بدخشاں = ہندستان اور خراسان کے درمیان ایک ولایت جہاں لعل کی کانیں تھیں یا لعل کثرت سے بکتے تھے ۔
بدرز = باہر
بَر = بدن ۔ سینہ
برکھ = برس
برن = رنگ
برہہ = برہ ۔ فراق ۔ ہجر ۔ جدائی
بسارنا = بھلانا ، فراموش کرنا ۔ بھولنا
بسرجانا = بھول جانا ، فراموش ہوجانا ، یاد سے اتر جانا
بسمہ = ایک قسم کا چھپا ہوا کپڑا جس پر سنہرے روپہلے نقش و نگار ہوتے تھے جو سونے چاندی کے ورقوں سے چھاپے جاتے تھے ۔ اس طرح کی چھپائی کے کام کو بسمہ کہتے تھے ۔
بکائی = بک بک ۔ جھک جھک
بن = بغیر ۔ بجز ۔ سوا
بنا = بن ۔ بغیر ۔ بے
بناگوش = کان کی لو

بمبا = چشمہ ۔ پانی کا خزانہ ۔ وہ جگہ جہاں سے پانی نکلے

بنگ = بھنگ

بوجھنا = سمجھنا ۔ جاننا

بوزا } فارسی لفظ ہے ۔ چاول ۔ جو یا کسی اور غلّہ سے بنائی ہوئی شراب
بوزہ }

بھانت = طرح ۔ مثل ۔ مانند

بھرم = عزّت ۔ وقعت ۔ ساکھ

بھگتیا = رقاصوں کی جماعت کا فرد جو بالعموم رات کے وقت طرح طرح کے روپ بھر کر تماشا دکھاتے تھے ۔ راجپوتانے کی ایک قوم جس کے مرد گاتے بجاتے ہیں اور لڑکیاں رنڈیوں کا پیشہ کرتی ہیں ۔ ناچنے گانے اور نقلیں کرنے والا فرقہ ۔

بہل = بہل ۔ بہلی ۔ ایک قسم کی بیل گاڑی جس پر زیادہ تر عورتیں سوار ہوتی ہیں ۔

بھنگی = بھنگ پینے والا

بھنگیڑن = بھنگ اور حقہ پلانے والی پیشہ ور عورت ۔ ساقن

بھَوَن = گھر

بھونہ = بھول

بی = بھی

بیاکل = بے کل ۔ بے چین ۔ بے قرار

بیچ = میں

بیچوں = بے چون ۔ بے مثل ۔ بے نظیر جس کے بارے میں یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ کیسا ہے ۔ یہ خدا کی ایک صفت ہے ۔

بےدل = افسردہ۔مغموم۔خواہشوں کو مارے ہوئے ۔
بے دماغی = نازک مزاجی ۔ زود رنجی
بَیراگ = جوگ۔ فقیری
بَیراگی = فقیر۔ جوگی، تارکِ دنیا
بیڑا = پان کی گلوری
پاپ = گناہ۔ بدی۔ عذاب
پاپی = گنہ گار۔ظالم۔ بدخو
پات = پتا۔پتی
پاتی = پتری، چھٹی۔خط
پاک بازی = بے گناہی۔صاف دلی۔بے غرض عشق
پال = چھولداری
پالی = پرندوں یعنی بلبلوں، تیتروں۔بٹیروں اور مرغوں کے لڑنے کی جگہ۔چڑیوں کی لڑائی ۔
پانی ہونا = شرمندہ ہونا۔ اب اس معنی میں "پانی پانی ہونا" بولتے ہیں ۔
پائے زیب = پازیب۔پاؤں کا ایک زیور جس میں بہت سے گھنگھرو لگے ہوتے ہیں
پجوڑے = پاجی۔کمینے لوگ
پچان = پہچان
پچ لڑی = گلے میں پہننے کا ایک زیور جس میں موتی یا سونے کے دانوں کی پانچ لڑیاں ہوتی ہیں ۔
پچھاننا = پہچاننا
پَران = جان،روح۔دم۔سانس

پَرَبھو = مالک۔ خداوند۔ خدا
پَرکاس = ظاہر۔ مشہور
پریت = محبّت
پریتم = محبوب۔ معشوق۔ بہت پیارا
پکھڑی = پنکھڑی
پگ = پانو۔ پیر۔ قدم
پَل = وقت کا بہت چھوٹا حصّہ جو بیس سکنڈ کا وقفہ۔ ایک گھڑی کا ساٹھواں حصّہ
پل پل = ہر لمحہ
پلید = نجس۔ ناپاک۔ گندہ
پنڈا = بدن۔ جسم
پنجۂ مرجاں = مونگا جس کی شاخیں آدمی کے پنجے سے مشابہ ہوتی ہیں۔
پنجۂ مہر = آفتاب جو اپنی کرنوں کے ساتھ پنجے سے مشابہت رکھتا ہے۔
پنگھٹ = پانی بھرنے کا گھاٹ پانی بھرنے کی جگہ۔
پنہار = پانی بھرنے والی
پوستی = جو پوست یعنی خشخاش کے ڈوڈے ہیں کر اُن کا پانی نشے کے لیے پیتا ہو۔ افیونی
پھاندا = پھندا
پہنچی = کلائی میں پہننے کا ایک زیور
پیتم = بہت ہی پیارا۔ محبوب۔ معشوق۔ پریتم
پینجن = جھانجھ۔ پانو میں پہننے کا ایک زیور۔ جو چلنے سے چھن چھن بولتا ہے۔
تپ = تپسیا۔ عبادت۔ ریاضت
تپسی = ریاضت کرنے والا

تا = تھا

تدی = تب ہی، تبھی

تُرک = مسلمان۔ گنوار ہندو عورتیں بعض مقاموں میں مسلمان کو ترک کہتی ہیں۔

تُرک تازی = تاخت۔ حملہ

تِل = وقت کا بہت چھوٹا حصہ۔ لمحہ

تِل تِل = ہر لمحہ

تلیں = تلے۔ نیچے

تُمَن = تم۔ تم کو

تمبو = خیمہ

تنک = ذرا۔ تھوڑا۔ کچھ۔ ذرا سا۔ تھوڑا سا

تھتھانا = مونھ پھلانا۔ خفگی ظاہر کرنا۔ ناراضی دکھانا

تی = تھی

تیغِ جنوبی = دکن کی بنی ہوئی تلوار

تیں = تو

ٹچا = کم ظرف۔ چھچھورا۔ لچا۔ شہدا۔ پاجی۔ رذالہ۔ اوباش

ٹک = ذرا۔ تھوڑا۔ کچھ۔ ذرا سا۔ تھوڑا سا

ٹھٹھول = دل لگی۔ تمسخر۔ خوش طبعی

ٹھٹھولیاں = ٹھٹھول کی جمع

ٹھور = جگہ

جامہ زری = سنہری تاروں یا کلابتون کا بنا ہوا کپڑا

جانی = جان سے تعلق رکھنے والا۔ پیارا۔ محبوب

جھَجرِیا = جھجری - پانی رکھنے کا ایک مٹی کا برتن۔ جھجریا میں الف تصغیر کا ہے۔
جعفری ۔گیندے کی ایک قسم۔ ہزارہ ۔ایک قسم کا لالہ بھی لالۂ جعفری کہلاتا ہے
جگ = دنیا
جَل = پانی - مجازاً آنسو
جلی = روشن ۔ظاہر
جمدھر = کٹار کی طرح کا ایک ہتھیار
جوبن = حسن ۔جوانی
جوت = روشنی - اجالا۔ چمک
جوڑا = نظیر ۔مثل ۔جوڑ
جوگی = فقیر ۔تارکِ دنیا
جوہر = وہ چیز جو قائم بالذات ہو۔ یعنی جس کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود پر منحصر نہ ہو۔
جہت = سبب ۔سمت
جھُرنا = سوکھنا - گھُلنا - افسردہ ہونا۔ فکرمند ہونا ۔مرجھانا۔ کم زور ہونا۔
جیبھ = جیبھ - زبان
جیو = جی - جان
جیوں = جس طرح - جیسے ۔مثل - مانند
چرخِ فلک = رہٹ - چرخ - پونجا - ہنڈولا
چرن = قدم - پیر
چچھ = آنکھ - (سنسکرت چکشو)
چکور = تیتر کی قسم کی ایک چڑیا۔ ہندی شاعری میں چکور چاند کا عاشق مانا گیا ہے۔

چکورا = جس کو ایک حالت میں قرار نہ ہو۔ بے قرار ۔ اوباش ۔ آوارہ گرد
چکورے = چکورا کی جمع
چَنڈر }
چُنڈر } = چاند
چندنی = چاندنی
چوما = چُمّا ۔ بوسہ۔ پیار
چھب = بناؤ سنگار ۔ حسن ۔ آرایش ۔ زیبایش
چھبیلا = بناؤ سنگار کیے ہوئے حسین مرد
چَھل = مکر ۔ فریب ۔ دھوکا
چَھل بَل = شوخی ۔ تیزی ۔ طراری ۔ چالاکی
چھل چھبیلا = چھیل چھبیلا ۔ بناؤ سنگار کیے ہوئے بانکا جوان
چَھلنا = دھوکا دینا ۔ فریب دینا ۔
چھِن = ایک پل کا چوتھائی حصہ ۔ چھ سکنڈ کا وقفہ ۔ وقت کا سب سے چھوٹا پیمانہ
چھند = مکر ۔ فریب جعل ۔ چَھل ۔ کپٹ
چیرا }
چیرہ } = ایک طرح کی رنگین پگڑی ۔ مطلق پگڑی
چیری = چیلی ۔ لونڈی
چیلی = کنیز ۔ لونڈی
چیہر = پاؤں میں پہننے کا ایک زیور ۔ چھڑا
حورِعین = گورے رنگ کی ۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں اور کالے بالوں
والی عورتیں جو بہشت میں رہتی ہیں ۔

ٹُھسکا = چھوٹا سوٹا ڈنڈا ۔ سونٹا ٹھینگا ۔ کتکا ۔ بھنگ گھونٹنے کا سونٹا ۔ عضوِ خاص کی طرف اشارہ ہی یہ بازاری لفظ ہے۔

خنڈی = بیہودہ ہنسنے والی عورت سبے حیا ۔ بے غیرت ۔ قحبہ ۔ فاحشہ

خودکام = خود غرض

دامن = بجلی ۔ برق

دَڑ = درندہ

ڈُر = سوتی ۔ کان کی لو میں پہننے کا ایک زیور

ڈُرانا = چھپانا ۔ پوشیدہ رکھنا

درپن = آئینہ

دَرسن = درشن ۔ دیدار ۔ درشن

دِسنا = دکھائی دینا

ڈُکُول = سن یا اسی کے ریشے کا بنا ہوا مہین کپڑا

دوارہ = دروازہ

دو دامی = ایک عمدہ قسم کا مہین پھول دار سوتی کپڑا، جو مالوہ میں بنتا تھا ۔

دولڑا = دو لڑیوں کا ہار

دھاڑ = گروہ ۔ جتھا ۔ انبوہ، مجمع ۔ ہجوم

دھڑی (مسی کی) = مسی کی تہ جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں

دَھک = دفعتہً ۔ یک بارگی ۔ اچانک

دیو = شیطان

دیوا = دیو ۔ دیوتا

ڈانک = سونے چاندی کا ورق ۔ تانبے کا نہایت باریک اور رنگین پتّر۔

ڈگ = قدم۔

ڈگ ڈگ = قدم قدم۔ ہر قدم پر

ڈیرا = خیمہ۔ قیام گاہ۔ مسکن

راک = راکھ

راکھتا = رکھتا

راندی = نکالی ہوئی۔ رُدکی ہوئی۔ دُھتکاری ہوئی

راہ دار = گزر بان۔ راستے کا محافظ۔ راستے کا محصول لینے والا

رتن = جواہرات

رجوع = واپسی۔ پلٹنا

رسیلا = رس بھرا۔ مزے دار۔ بانکا۔ وضع دار

رنگیلا = رنگین مزاج۔ عیاش طبع۔ طرح دار۔ خوش پوشاک۔ چھیل چھبیلا

روپ = صورت۔ شکل

روپا = چاندی

روح الامین = امانت دار فرشتہ۔ ملکِ مقرب۔ جبرئیل

روماولی = رویوں کی قطار جو پیٹ پر ناف سے اوپر کو جاتی ہے

ریکھ = ریخ۔ مستی کی کالی لکیریں جو دانتوں میں پڑ جاتی ہیں۔

رین = رات

زرخرید = روپے سے خریدا ہوا۔ اپنا مول لیا ہوا

زمانہ سازی = دکھاوے کی باتیں کرنا۔ محبت کی جھوٹی نمایش۔

زنبق = ایک طرح کا سفید پھول۔ چمپا۔ کسی حسین کی پتلی اور سوتواں ناک کو
چمپے کی کلی سے تشبیہہ دیتے ہیں۔

زوج = شوہر

زہرا = روشن چہرے والی حضرت فاطمہؓ کا لقب

زہرہ = پتا - ہمت - جرأت

ساجن = سجن - محبوب - معشوق

سار = مثل - مانند

سالو = ایک گہرے سرخ رنگ کا مہین کپڑا۔

سانجھ = شام - جھٹپٹا وقت

سبی = سبھی (سب ہی)

سبن = سبھوں

سبھا = محفل - بزم

سپاری = ڈلی - چھالیا

سپند = اسپند - کالا دانہ - ایک قسم کے بیج جو ہوا کو صاف کرنے اور نظر بد کا اثر دور کرنے کے لیے جلائے جاتے ہیں

ستی = سے

سٹنا = ڈالنا - گرانا - پھینکنا

سجن = معشوق - محبوب

سجیلا = جامہ زیب حسین - بنا ٹھنا - سجا سجایا - خوش رو، بانکا

سدھ = یاد - خبر - آگاہی - ہوش

سدھ بدھ = خبر اور آگاہی - سدھ کے معنی یاد - خبر - اور بدھ کے معنی ہیں عقل - سدھ بدھ بھول جانا - نہ لینا، نہ رہنا وغیرہ - بے خبری، بے خودی، بے ہوشی کے معنوں میں بولتے ہیں۔

سرپنجہ ہا = انگلیوں کے سرے
سُروپ = حسین خوب صورت
سریجن = محبوب ۔ معشوق
سَکل = سب ۔ تمام ۔ کل
سَمَندَر = ایک چھوٹا جانور جو آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں زندہ رہ سکتا ہے۔
سناں = برچھی ۔ برچھی کی انی یا نوک
سندر = خوب صورت
سندیسا = پیغام ۔ سندیس
سنگت = ٹولی ۔ جتھا ۔ گروہ ۔ مجمع صحبت
سنگ خارا = ایک قسم کا سخت پتھر
سوبھا = خوب صورتی
سودا = دیوانگی ۔ مالی خولیا
سوں = سے
سیتی = سے
سیس = سر
سیلی = بالوں یا ریشم یا کسی اور چیز کی ڈوری جو فقیر اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔
سَین = اشارہ ۔ آنکھ کا اشارہ ، چشمک ۔ غمزہ ۔ کرشمہ
سیں = سے
سیوا = خدمت ۔ بندگی ۔ پرستش
صاحب = مالک سردار
صد برگ = گیندا ۔ زرد رنگ کا مشہور پھول

صفادار = صفائی والا۔ صاف

صنم = بت۔ مورت۔ مجازاً معشوق

ظلمات = تاریکیاں۔ اندھیرے۔ وہ تاریکی جس کے اندر آبِ حیات کا چشمہ ہے

عَبیر = رنگین سفوف یا ابرک کا سفوف جو چہرے پر ملا جاتا ہے

عَرَض = وہ چیز جو قائم بالغیر ہو یعنی اُس کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود پر موقوف ہو۔

علاّمہ = بہت جاننے والا۔ بڑا عالم

عُمّان = سمندر

غفور = بخش دینے والا۔ معاف کر دینے والا

غمام = ابر۔ بادل

غُموم = غم کی جمع

غمیں = غمگین۔ رنجیدہ

غول = بھوت۔ پریت۔ شیطان

فرید = اکیلا۔ بے مثل۔ لاجواب

فُندق = ایک پھل جو جھربیری کے بیر کے برابر اور بہت سرخ ہوتا ہے۔ مجازاً مہندی لگے ہوئے انگلیوں کے سرے

فن ہونا۔ کمال یا مہارت ہونا

قحبہ = فاحشہ بدکار عورت۔ رنڈی

قلندر = درویش۔ دنیوی تعلقات سے آزاد

کاچن = کاچھن۔ کاچھی کی عورت۔ ترکاری اور پھل بیچنے والی ہندو عورت

کالبُد = قالب جسم

کان پھول = کرن پھول۔ کان کی لو میں پہننے کا ایک زیور

کپوّل = گال۔ رخسار
کتھ = کتھا
کتھرانی = کھتری قوم کی عورت
کجلا = کاجل
کچ = کمسن عورت کی چھاتی
کرسی نشین = ذی رتبہ ۔ باعزت ۔ مقبول و منظورِ عام
کریلے = کیچیے۔
کڑوے بچن = تلخ کلام ۔ کڑوے بول ۔ ناگوار معلوم ہونے والی باتیں ۔
کسائی = قصائی ۔ قصاب ۔ گوشت بیچنے والا ۔ جانوروں کو ذبح کرنے والا
کلکلانا = شور کرنا ۔ خوشی کی آواز نکالنا
کلولیاں = کلول کی جمع
کناری = پتلا لچکا جو کپڑوں کے کنارے پر ٹانکا جاتا ہے
کنج = کونہ ۔ گوشہ
کنچن برن = سونے کے رنگ والی ۔ کندنی رنگ والی
کنچنی = ناچنے والی عورت ۔ طوائف رنڈی
کنک = سونا
کنول = ایک دریائی پودے کا پھول ۔ اس کے بیج کو کنول گٹا کہتے ہیں اور جب
اس کو بھون کر کھیل کر لیتے ہیں تو وہ تال کھانا کہلاتا ہے ۔
کنول باؤ = یرقان ۔ کانور ۔ ایک مرض جس میں مریض کی آنکھیں زرد ہو جاتی ہیں
کنونٹا = کنونڈا ۔ شرمندہ ۔ احسان مند ۔ شرمندۂ احسان ۔ بدنام ، داغی
کھنجن = ممولا ۔ ایک موسمی چڑیا بہت خوب صورت ہوتی ہے اور جس کی چال

بہت دل کش ہوتی ہو۔حسین عورت کی آنکھ اور چال کو اس سے تشبیہ دینا
سنسکرت اور ہندی شاعری میں عام ہو۔

کہوں = کہیں

کیتے = کتنے

کیسری = زعفرانی۔زرد

گابھا = نیا پتا جو سفید اور بہت ملائم ہوتا ہو۔کیلے کے تنے کا اندرونی حصہ
جو بہت نرم ہوتا ہو۔

گَت = حالت

گَت = چال۔رفتار (سنسکرت گتی)

گگریا = گگری۔گھڑا۔چھوٹا گھڑا۔'گگریا' میں الف تصغیر کا ہو۔

گل = گلا۔گردن۔حلق

گُلال = ایک لال رنگ کا سفوف جو ہولی میں چہرے پر ملا جاتا ہو۔

گلِ صد برگ۔گیندے کا پھول

گلنار = انار کا پھول۔شوخ سرخ رنگ

گمانی = مغرور

گوش کرنا = سننا

گھٹ = جی۔دل

گھڑی = چوبیس منٹ کا وقفہ تھوڑا سا وقت

لال = سرخ۔لعل۔گونگا

لٹا = لٹ

لٹاں = لٹیں۔لٹ کی جمع

لٹک = لچک ۔ لوچ ۔ جُھکاؤ ۔ جسم کی دل کش حرکت

لٹک کر چلنا = جھوم جھوم کر چلنا ۔ مستانہ رفتار سے چلنا ۔ ناز و انداز کے ساتھ چلنا

لِقا = چہرہ ۔ صورت

لگ = تک

لیوں = لوں

مَت = عقل ۔ فہم ۔ ادراک

مَتا = مست

مردُود = رد کیا ہوا ۔ نکالا ہوا ۔ دُتکارا ہوا

مُرکی = کانوں کی لَو میں پہننے کی پھول دار کیل

مِرگ = ہرن

مِرگ چھالا = ہرن کی بالوں سمیت کھال جس کا جوگی اور سادھو سنت بستر بناتے ہیں ۔ یہ درویشی کی علامت ہو ۔

مَڑھی = منڈھی ۔ فقیر کی جھونپڑی ۔ کُٹی

مستمند = غریب ۔ بے چارہ ۔ پریشان حال مصیبت زدہ

معادِن = معدن کی جمع ۔ کانیں ۔ معدنیات ۔ کانوں سے نکلنے والی چیزیں

مُکھ ۔ مونھ ۔ چہرہ ۔ صورت

مِلاپ = میل ۔ ملنا ۔ ملاقات ۔ وصل

مَن ہَرن = دل کو چھین لینے والا

مُتے = ہیں

موہن = موہ لینے والا - لبھا لینے والا

میاں = میان - کمر

میت = متر - دوست - یار - آشنا

میتر = متر - دوست - یار - آشنا

ناجنس = کمینہ - پاجی - رذیل - سفلہ - نیچ - غیر جنس - بے جوڑ - ناموافق

نار }
ناری } عورت

نپٹ = بہت - بالکل

نت = ہمیشہ

نٹوا = طفلِ بازی گر - ایک طرح کے رقاص - جو علم موسیقی کی کتابوں کے موافق رقص کرتے ہیں -

نٹھر = جو دوسروں کی تکلیف سے متاثر نہ ہو -

نٹھرائی = بے رحمی - بے مروتی

نچنٹے = آوارہ گرد - مارے مارے پھرنے والے

نس = نشا - رات

نسرین = چنبیلی کا پھول

نصّ = وہ آیتِ قرآنی جو وضاحت کے ساتھ معنی مقصود پر دلالت کرتی ہو -

نکویاں = اچھے لوگ - خوب صورت لوگ (نکو کی جمع)

نگر = شہر

نمانا = جھکا ہوا - عاجز - بیچارہ

نِہچنت = نشچنت ۔ بے فکر ۔ بے کھٹکے مطمئن

نیارا = الگ ۔ جدا ۔ نرالا ۔

نیاری = نرالی ۔ انوکھی ۔ عجیب ۔ سب سے الگ

نین = آنکھ ۔ آنکھیں ۔ موزونیت کی ضرورت سے نَیَن کو نَیِّن بھی باندھا جاتا ہے ۔

والِہ = عاشق ۔ فریفتہ

ودُود = دوست رکھنے والا ۔ محبت کرنے والا

وَر = بہتر ۔ غالب ۔ زبردست

وِرد کرنا = وظیفہ پڑھنا ۔ جپنا ۔ رٹنا

وِسے = اُسے ۔ اُس کو

وصی = جس کو وصیت کی جائے ۔ رسول کا وصی وہ شخص ہوتا ہے ۔ جس کو رسول اسرارِ نبوت تعلیم کر دیتا ہے اور وہ رسول کے بعد رسالت کے فرائض انجام دیتا ہے مگر خود رسول نہیں ہوتا ۔ یعنی اس کے پاس وحی نہیں آتی ہے ۔

وضیع = کمینہ ۔ نیچ ۔ پست درجے کا

وو = وہ

وِیر = بہادر ۔ سورما ۔ پہلوان

ہاموں = میدان ۔ صحرا

ہَت = ہاتھ

ہِت = چاہ ۔ محبت

ہَت پھول = ہتھ پھول ۔ ایک طرح کی پھلجھڑی

ہم قریں = ہم مرتبہ - برابر
ہمن = ہم - ہم کو - ہمارا
ہنڈول = ایک راگ کا نام
ہنڈولا = جھولا
ہوری = وہ عشق و محبت کے گیت جو ہولی کے زمانے میں کرشن جی
کی طرف منسوب کر کے گائے جاتے ہیں
یار = عاشق
یاری لگنا = عشق ہونا
یو = یہ

Date	No.	Date	No